نومبر ۱۹۹۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

★ اسلامی انقلاب کا معنی و مفہوم،

اور اس کے لیے قرآنی و دیگر اصطلاحات : بسلسلہ "منہجِ انقلابِ نبوی

★ "یادِ یارِ مہرباں آید ہمے" (۲)

بسلسلہ "مولانا مودودی اور میں" ——— از ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

امیر تنظیم اسلامی کے خطبات جمعہ سے مسلسل استفادے
کا ایک سہل طریقہ ۔۔۔ ایک آسان اسکیم

- آپ دس آڈیو کیسٹ (C-90) خرید کر مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن کو بھجوادیجئے یا دس کیسٹس کی رقم مبلغ/۲۵۰ روپے مکتبہ میں جمع کروادیجئے' جس کے عوض مکتبہ میں آپ کی دس کیسٹس اس کے حساب میں علیحدہ محفوظ کرلی جائیں گی۔
- امیر تنظیم کا خطبہ جمعہ آپ کی کیسٹ پر ریکارڈ کرکے پابندی سے آپ کو ہر ہفتے بذریعہ ڈاک بھجوایا جاتا رہے گا۔
- جب آپ کے پاس تین چار کیسٹ جمع ہوجائیں اور آپ ان سے استفادہ کر چکیں تو آپ وہ کیسٹ بذریعہ ڈاک یا دستی طور پر مکتبہ کو واپس بھجوادیں۔ اس طرح مکتبہ آپ کو ہر ہفتے کیسٹ ریکارڈ کرکے بھجواتا رہے گا اور آپ استفادے کے بعد واپس ارسال کرتے رہیں گے۔
- اگر آپ خطبہ جمعہ کا کوئی کیسٹ اپنے پاس مستقلاً رکھنا چاہیں تو اس کی قیمت بحساب ۔/۲۵ روپے فی کیسٹ مکتبہ کو روانہ کریں اور اپنے اس فیصلے سے مدیر مکتبہ کو بھی مطلع کردیں تاکہ اس رقم سے خالی کیسٹ خرید کر آپ کے حساب میں جمع کردی جائے۔

نوٹ : مکتبہ کو جو کیسٹ آپ بھجوائیں گے ان کا ڈاک خرچ خود برداشت کریں گے۔ اس کے بالمقابل مکتبہ کی جانب سے جو کیسٹ آپ کو ارسال کئے جائیں گے ان کا ڈاک خرچ بذمہ تنظیم ہوگا۔

المعلن۔ ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان' مرکزی دفتر ۶۷۔ اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو۔ لاہور

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۱
شمارہ: ۱۱
جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
نومبر ۱۹۹۲ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یہ از مطبوعات تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷- اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ———— ۳
حافظ عاکف سعید

☆ الھدیٰ (قسط ۸۰) ———— ۷
اعراض عن الجہاد کی پاداش : نفاق
سورۃ المنافقون کی روشنی میں (۳)
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ اسلامی انقلاب ———— ۱۷
معنی و مفہوم اور اس کے لئے قرآنی و دیگر اصطلاحات
(بسلسلۂ منہجِ انقلابِ نبویؐ)
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ یادِ یارِ مہرباں آید ہمے (۲) ———— ۳۴
بسلسلہ "مولانا مودودی مرحوم اور میں"
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ درسِ قرآن ———— ۵۵
"اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کا مفہوم
اور اطاعتِ رسولؐ کے مختلف پہلو (۲)
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ کتابیات ———— ۶۳
دسواں کبیرہ: جھوٹ بولنا۔ جھوٹی گواہی دینا
ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

☆ رفتارِ کار ———— ۶۹
○ تنظیم اسلامی حلقہ سندھ کا سہ روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام
○ ماہانہ تربیتی پروگرام جمعیۃ خدام القرآن ابو ظبی

☆ خطوط و نکات ———— ۷۷

عرض احوال

"تفکر و تذکر" کے زیر عنوان روزنامہ "نوائے وقت" میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے جو مضامین سلسلہ وار شائع ہو رہے ہیں، وہ یقیناً قارئین میثاق کی نگاہ سے بھی گزرتے ہوں گے۔ اس کالم کی ذمہ داری امیر تنظیم نے اصلاً اس لئے قبول کی تھی کہ "منہج انقلاب نبویؐ" کو ضبط تحریر میں لانے کا جو قرض ان کے ذمے تھا، وہ کسی طور ان کے کاندھوں سے اتر جائے۔ اس لئے کہ کسی موضوع پر تقریر کر دینا ان کے لئے بحمد اللہ جتنا آسان ہے اور زبان کی گرہ جس درجے کھلی ہوئی ہے، اس کے برعکس اپنے قلم کو حرکت میں لانا اور کسی مضمون کو قلمبند کرنا ان کے لئے اسی قدر مشکل اور بھاری ہے۔ اللہ کی تائید و توفیق سے یہ ہفتہ واری کالم پچھلے ۶ ماہ سے بڑی باقاعدگی سے ہر جمعہ المبارک کو "نوائے وقت" میں شائع ہو رہا ہے اور بعض اوقات کسی ہفتے کوئی ایک کالم ہی اتنا طول پکڑ جاتا ہے کہ جمعہ کے دن کی اشاعت میں مکمل نہیں ہو پاتا تو اسی ہفتے کے دوران کسی دوسرے دن اس کا بقیہ حصہ شائع کر کے اسے مکمل کیا جاتا ہے۔ بلکہ ایسا بھی ہوا کہ ایک مضمون کو اس کی طوالت کے باعث تین اقساط میں منقسم کیا گیا اور یہ تینوں اقساط ایک ہی ہفتے کے دوران مختلف دنوں میں شائع ہوئیں۔ گویا ہفتے میں ایک بار تو امیر تنظیم کا کالم پابندی سے شائع ہوتا ہی ہے، بعض اوقات ہفتے میں دو دو اور تین تین کالم بھی شائع ہوتے ہیں۔ ؎ایں سعادت بزور بازو نیست ۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ امیر محترم کو ہمت اور توفیق دئے رکھے کہ وہ اس سلسلہ مضامین کو اسی پابندی کے ساتھ اختتام تک پہنچا سکیں۔ (آمین)

ان کالموں کی اشاعت سے جہاں مثبت طور پر انقلاب نبویؐ کے مدارج و مراحل بڑی جامعیت اور وضاحت کے ساتھ قارئین کے سامنے آ رہے ہیں وہاں بعض ناقدین کے مضامین اور پھر اس کے جواب میں امیر تنظیم کے وضاحتی مضامین کی اشاعت سے بحمد اللہ یہ بحث اور زیادہ نکھر کر سامنے آ رہی ہے اور یہ چیز اس بحث کے بعض اہم گوشوں کو مزید نمایاں کرنے کا باعث بنی ہے۔ اس ضمن میں امیر تنظیم کی جانب سے ڈاکٹر محمد امین اور جناب جاوید احمد غامدی کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کے مدلل اور تشفی بخش جوابات

نوائے وقت میں شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر امین کے جواب میں امیر تنظیم کا مفصل مضمون قبل ازیں "میثاق" میں شائع کیا جا چکا ہے۔ جاوید غامدی صاحب کے جواب میں تحریر کئے جانے والا مضمون "نوائے وقت" میں تو شائع ہو ہی چکا تھا، ندائے خلافت کے پچھلے شمارے میں بھی شائع کر دیا گیا تھا۔ آئندہ کسی اشاعت میں ان شاء اللہ العزیز وہ مضمون قارئین میثاق کی نذر بھی کر دیا جائے گا۔ بلکہ اسی موضوع سے متعلق بعض اہم اصولی مباحث پر مشتمل امیر تنظیم کے بعض مضامین جو "اسلام کا انقلابی فکر اور اس سے انحراف کی مختلف صورتیں" کے عنوان سے بالاقساط "نوائے وقت" میں شائع ہو رہے ہیں، یکجا شائع کر دئے جائیں گے۔

"منہج انقلاب نبوی" کے موضوع پر امیر تنظیم کے تحریر کردہ مضامین "نوائے وقت" میں چونکہ قسط وار شائع ہو رہے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اخبار میں تو اسی طور شائع ہو سکتے ہیں اور ہم ادارہ "نوائے وقت" کے ممنون ہیں کہ اس نے اس معاملے میں ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا ہے، لیکن یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اس طرح وقفے وقفے سے اور ٹکڑوں ٹکڑوں میں منقسم ہو کر اقساط کی صورت میں کسی مضمون کی اشاعت سے اس کا مطلوبہ تاثر باقی نہیں رہتا، لہٰذا زیر نظر شمارے سے ان مضامین کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اس بات کا اہتمام کیا جائے گا کہ اس سلسلہ مضامین کا ہر مضمون، خواہ وہ اخبار میں دو یا تین اقساط میں مکمل ہوا ہو، "میثاق" میں یکجا شائع کیا جائے تاکہ پورا مضمون بیک نگاہ قارئین کے مطالعہ میں آسکے۔ اس سلسلے کا پہلا مضمون "اسلامی انقلاب کے معنی و مفہوم اور اس کے لئے قرآنی اور دیگر اصطلاحات" شمارہ ہذا میں شامل ہے۔

☆ ☆ ☆

شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اندراج کا معاملہ آج کل ملک خداداد پاکستان کے مختلف طبقات کے مابین باعث نزاع بنا ہوا ہے۔ اس ضمن میں حکومت پاکستان نے "مجلس تحفظ ختم نبوت" کا مطالبہ منظور کر کے یقیناً صحیح سمت میں ایک قدم اٹھایا ہے۔ لیکن بعض اقلیتوں کی جانب سے، جن میں بظاہر عیسائی لوگ زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں لیکن پس پردہ اصل پریشانی قادیانیوں کو لاحق ہے اور درپردہ وہی زیادہ فعال معلوم ہوتے

ہیں' احتجاجی مظاہروں اور بعض دیگر حربوں کے ذریعے حکومت پر دباؤ ڈالنے کی کوششیں مسلسل جاری ہیں۔ ہمارے ملک کے خالص سیکولر مزاج کے حامل دانشور بھی اس معاملے میں احتجاجی آواز بلند کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے اپنے ۳۰ر اکتوبر کے خطاب جمعہ میں اسی موضوع کو گفتگو کا عنوان بنایا اور اس تنازعے کے پس منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس خطاب جمعہ کا پریس ریلیز ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے:

"لاہور۔ جمعہ ۳۰ر اکتوبر ۹۲ء: امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اضافے پر احتجاج درحقیقت اس کشمکش کے ظہور کی علامت ہے جو پاکستان میں اسلامی نظام حیات اور سیکولرزم کے مابین جاری ہے۔ یہ کشمکش جو آزادی کے وقت سے اندر ہی اندر چلتی آ رہی ہے اب کھل کر سامنے آ گئی ہے اور اس معرکے کے علامتی آغاز کا بہانہ ایک ایسی بات کو بنایا گیا ہے جس میں درحقیقت اعتراض کی کوئی بات موجود ہی نہیں' کیونکہ ہر شخص کو اپنے مذہب سے اتنا تعلق تو ضرور ہونا چاہئے کہ اس کے اظہار میں اسے کوئی سبکی محسوس نہ ہو۔ مذہب اگر ایک شہری کی شناخت کا حصہ ہے تو شناختی کارڈ میں اس کا ذکر ہونا چاہئے تاکہ اس کی شناخت مکمل ہو جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ میں واضح کیا کہ پاکستان کی تکمیل اسلامی کے نظام حیات کے کلی نفاذ کے بغیر ممکن نہیں بلکہ اس کی بقاوسلامتی کی بھی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اور اسلام کے انحراف کے ساتھ اگر یہاں سیکولرزم کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی تو اندیشہ ہے کہ یہ ملک خداداد بھی سوویت یونین کی طرح بکھر کر رہ جائے گا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ زیر بحث مسئلہ میں خطرہ صرف قادیانیوں کو محسوس ہوتا ہے جو بحالات موجودہ آسانی سے اپنے آپ کو مسلمانوں کا حصہ ظاہر کر کے دھوکہ دے سکتے ہیں' ورنہ کسی اور غیر مسلم اقلیت کو شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج سے قطعاً کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ انہوں نے خبردار کیا کہ یہ فتنہ پرور اقلیت صرف عیسائیوں کو ہی نہیں اکسا رہی بلکہ اسکی اصل حکمت عملی یہ ہے کہ اس کے ذریعے پاکستان کے سیکولر عناصر کو زبان کھولنے بلکہ سڑکوں پر نکل آنے کا موقع فراہم کیا جائے تاکہ اسلام اور سیکولرزم کی کشمکش ایک گرم معرکے میں تبدیل ہو سکے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے علماء دین اور مذہبی جماعتوں کو مشورہ دیا کہ وہ ایک ایک بات پر محاذ کھولنے اور تحریک چلانے یا تحریک کا مقابلہ کرنے میں اپنی توانائیاں ضائع کرنے کی بجائے غیر مسلم اقلیتوں کے مسئلے پر ایک ہی بار بیٹھ کر دین کی حکمت اور فلسفہ کے تحت کوئی متفقہ اور جامع لائحہ عمل بنائیں اور اس پر بھرپور جدوجہد کے ذریعے عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے نزدیک بنیادی امور یہ ہیں کہ غیر مسلم اقلیتوں کے قانونی ودستوری تشخص کو طے کرنے کے بعد ارتداد کی شرعی سزا نافذ کی جائے تاکہ فتنہ ارتداد کو روکا جا سکے اور بالخصوص قادیانیت کے فروغ کی بیخ کنی کی جا سکے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ دنیا کی شرم اور بنیاد پرستی کے طعنے سے گھبرانا ترک کر کے ہمیں اصولی طور پر فیصلہ کرنا ہو گا کہ پاکستان ایک نظریاتی اسلامی ریاست ہے اور اس کی مکمل شہریت کے حقوق صرف انہی لوگوں کو حاصل ہوں گے جو اس نظریہ حیات پر ایمان رکھتے

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی والدہ محترمہ ۳۱ اکتوبر کو قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ - مرحومہ ٹانگ کے فریکچر کے باعث گذشتہ قریباً چار ماہ سے علیل اور صاحب فراش تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرحومہ کو طویل عمر طبعی عطا فرمائی' انہوں نے قریباً نوے برس عمر پائی۔ ان کی وفات ان کی تمام اولاد اور بالخصوص امیر تنظیم کے لئے اس اعتبار سے ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے کہ وہ مرحومہ کی نصف شب کی ان دعاؤں کی برکات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے جن کا ابر رحمت گذشتہ کم وبیش پچاس برس سے ان کے سروں پر سایہ فگن تھا۔ تمام رفقاء واحباب سے درخواست ہے کہ وہ تہہ دل سے مرحومہ کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ اور امیر تنظیم کے لئے بھی اپنی دعاؤں کا جو حصہ انہوں نے مخصوص کر رکھا ہے' اس میں اضافہ کر کے کسی قدر تلافی کا سامان کرنے کی کوشش کریں! مرحومہ کے لئے بالخصوص اس دعا میں سب حضرات ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا وَارْحَمْھَا وَاَدْخِلْھَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھَا حِسَابًا یَسِیْرًا

(آمین یارب العالمین)

الہدیٰ قسط: ۸۰

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۵۲

اعراض عن الجہاد کی پاداش

نفاق

سورۃ المنافقون کی روشنی میں

(۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ۝١ اِتَّخَذُوْٓا
اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝٢ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٣ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا
تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ
عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٤ وَ
اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ
رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝٥ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ
لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٦ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى
الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ
اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ
اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

یہ سورۃ المنافقون ہے۔ اٹھائیسویں پارے میں سورۃ الجمعہ کے بعد اور سورۃ التغابن سے قبل وارد ہوئی ہے۔ دو رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کی کل گیارہ آیات ہیں۔ اس کا ایک رواں اور بامحاورہ ترجمہ یوں ہوگا:

"اے نبیؐ! جب آئے آپ کے پاس منافق اور انہوں نے کہا کہ ہم گواہ ہیں اس پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے' پس وہ اللہ کے راستے سے رک گئے ہیں۔ یقیناً بہت برا ہے وہ طرزِ عمل جو انہوں نے اختیار کیا۔ یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا۔ تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ تو اب وہ تفقہ سے عاری ہو چکے ہیں۔ اور جب آپ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کی جسامت اور ان کی تنومندی سے آپ متاثر ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ بات کرتے ہیں تو آپ ان کی بات توجہ سے سنتے ہیں۔ ان کی مثال ان سوکھی لکڑیوں کی سی ہے جنہیں سہارے سے کھڑا کر دیا گیا ہو۔ ہر دھمکی کو وہ اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں۔ یہی دشمن ہیں بس ان سے بچئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے کہاں سے بچلے جا رہے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کے رسول تمہارے لئے استغفار کریں تو وہ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں۔ اور آپ دیکھتے ہیں ان کو کہ وہ رکے رہ جاتے ہیں گھمنڈ اور غرور کی وجہ سے۔ ان کے حق

میں بالکل برابر ہے خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں خواہ نہ کریں' اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو معاف فرمانے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مت خرچ کرو ان پر کہ جو اللہ کے رسول کے آس پاس ہیں یہاں تک کہ یہ بھیڑ منتشر ہو جائے۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کی ملکیت ہیں لیکن منافقین کو اس کا فہم حاصل نہیں۔ کہتے ہیں اگر ہم لوٹ گئے مدینے کی طرف تو ہم میں سے باعزت لوگ کمزوروں کو لازماً نکال باہر کریں گے' حالانکہ عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور اہلِ ایمان کے لئے ہے' لیکن منافق اس کا علم نہیں رکھتے۔

اے ایمان والو! نہ غافل کر پائیں تمہیں تمہارے اموال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے۔ اور جو کوئی اس کا ارتکاب کرے گا تو وہی ہیں کہ جو خسارے میں رہنے والے ہیں۔ اور خرچ کرو اور کھپادو اس میں سے کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آن کھڑی ہو اور پھر وہ کہے اے میرے رب کیوں نہ تو مؤخر کردے میرے اس وقتِ معین کو تھوڑے سے وقت کے لئے' تو میں صدقہ کروں اور میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔ اور ہرگز ہرگز مؤخر نہ کرے گا اللہ کسی ذی نفس کے لئے بھی جب کہ اس کا وقتِ معین یعنی اس کی اجل آن پہنچے۔ اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے کہ جو تم کر رہے ہو۔"

جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ مختصر سورت نفاق کے موضوع پر انتہائی جامع ہے۔ اب ہم اللہ کے نام سے اس کی آیاتِ مبارکہ کا سلسلہ وار مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ جو باتیں نفاق کے بارے میں تمہیداً عرض کی جا چکی ہیں' ان شاء اللہ العزیز' ان کے بعد اس سورۂ مبارکہ کے مطالب و مفاہیم بڑی آسانی سے واضح ہوتے چلے جائیں گے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اگرچہ نفاق کا ذکر بعض مکی سورتوں میں بھی موجود ہے' چنانچہ ہمارے اس "منتخب نصاب" کے اگلے درس یعنی سورۃ العنکبوت میں یہ بات سامنے آئے گی' لیکن نفاق نے ایک باقاعدہ ادارے کی شکل مدنی دور میں اختیار کی۔ اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک بیماری تھی جس نے بڑھ کر تدریجاً "نفاق" کی معین شکل اختیار کی۔ چنانچہ اس ضمن میں ہمیں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ مدنی سورتوں میں سے اولین سورتوں میں اس روگ کی نشان دہی تو کی گئی ہے' بیماری کا ذکر تو موجود ہے' مگر لفظ "نفاق" استعمال نہیں کیا گیا۔ کسی کو تعین کے ساتھ منافق قرار نہیں دیا

گیا۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: "فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا" (ان کے دلوں میں ایک بیماری تھی تو اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا) ـــــ لیکن پوری سورۃ البقرہ میں کہیں لفظ "نفاق" یا "منافقت" یا "منافق" موجود نہیں۔ تاہم جیسے جیسے معاملہ آگے بڑھا' یہ مرض پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آیا۔ آغاز میں حکمتِ تربیت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ ان کو بالکل ننگا نہ کیا جائے' علامات بیان کر دی جائیں۔ تاکہ جن کے دلوں میں ابھی یہ روگ ابتدائی درجے میں ہو' اگر وہ متنبہ ہو جائیں اور اصلاح پر آمادہ ہوں تو اس میں انہیں کوئی حجاب محسوس نہ ہو۔ لیکن بہرحال ایک وقت آیا کہ پھر منافق کی اصطلاح کھل کر استعمال ہوئی۔

سورۃ المنافقون کا زمانۂ نزول

اس سورۃ کے زمانۂ نزول کے بارے میں قریباً اتفاق ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے دوران یا اس کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا۔ اگرچہ اس غزوے کا exact زمانہ معین کرنا خاصا مشکل ہے اور اس بارے میں کچھ اختلافِ رائے بھی پایا جاتا ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مدنی دور کے قریباً وسط میں یہ غزوہ پیش آیا اور اس موقع پر بعض معین واقعات ایسے سامنے آئے کہ جن کے پس منظر میں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو انہوں نے "نفاق" کے موضوع پر ایک نہایت جامع مضمون کی حیثیت اختیار کر لی۔

منافقین کے دعوئ ایمان کی حقیقت

فرمایا: "اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ" کہ جب وہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ـــــ یہ ٹکڑا بہت قابل توجہ ہے۔ یہاں نفاق کے بارے میں ایک بات یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ وہ نفاق جس کا ظہور دورِ نبوی میں مدینہ میں ہوا اس کا آغاز درحقیقت یہود کی جانب سے ہوا۔ اور مسلمانوں میں سے بھی اوس اور خزرج کے قبیلوں کے وہ لوگ سب سے پہلے اس مرض کی لپیٹ میں آئے جن کے یہودیوں کے ساتھ حلیفانہ تعلقات اور سماجی روابط تھے۔ یہیں سے نفاق کا پودا پروان چڑھا اور برگ وبار لایا۔ یہود کے بارے میں ایک بات یہ جان لینی چاہئے کہ انہوں نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابھرتی ہوئی

طاقت کو دیکھا تو اگرچہ ان کے علماء خوب پہچان گئے تھے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں (یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ ھُمْ) لیکن نسلی تعصب کے باعث ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ نبی آخر الزمان کی پیشین گوئیاں ان کے ہاں موجود تھیں اور وہ منتظر تھے کہ اس نبی کے ظہور کا وقت اب قریب ہے۔ چنانچہ جب کبھی اوس اور خزرج کے لوگوں سے ان کا جھگڑا ہوتا اور ان کی عددی اکثریت کی وجہ سے انہیں دبنا پڑتا تو وہ یہ دھمکی دیا کرتے تھے کہ اس وقت تو تم ہمیں جس طرح چاہو دبالو لیکن یاد رکھو کہ نبی موعود کی بعثت کا وقت قریب ہے، جب ہم اس کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں گے تو تم ہم پر غالب نہ آسکو گے۔ گویا آنحضورؐ کو انہوں نے پہچان تو لیا تھا لیکن انہیں یہ گمان تھا کہ آخری نبی انہی میں سے یعنی بنی اسرائیل سے ہوگا۔ چنانچہ یہ نسلی اور قومی تعصب ان کے پاؤں کی بیڑی بن گیا کہ ہم سے یہ فضیلت کیوں چھین لی گئی اور بنی اسماعیل میں آخری اور کامل نبوت کا ظہور کیسے ہوگیا!! یہی ان کے لئے قبولِ اسلام کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مدینہ منورہ میں حضور کو تمکن اور غلبہ عطا فرمایا اس کے آگے وہ بے بس سے ہو کر رہ گئے۔ ان کے بعض لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ہمیں بھی مسلمان تسلیم کیا جائے، اس لئے کہ جن باتوں کی دعوت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دے رہے ہیں ان میں سے دو باتیں وہ ہیں جن کو ہم پہلے ہی سے مانتے ہیں۔ وہؐ توحید کی دعوت دے رہے ہیں ہم توحید کے پہلے سے علمبردار ہیں، وہؐ آخرت کی خبر دے رہے ہیں، ہم بھی آخرت کے ماننے والے ہیں۔ پھر یہ کہ تیسری بنیادی شے نبوت و رسالت ہے اس میں بھی ہمارے مابین کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ نبوت و رسالت کے ہم بھی اسی طرح قائل ہیں جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فرمارہے ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے رسول تھے، عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے رسول تھے اور یہی نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء جو ان کے مابین آئے ان سب کی صداقت کے وہؐ معترف ہیں تو اب باقی سارے معاملات میں ہمارے اور ان کے مابین کامل اشتراک موجود ہے سوائے اس کے کہ ہم ان کی رسالت کے قائل نہیں۔

سورۃ البقرہ کے دوسرے رکوع کے ابتدائی الفاظ بڑے قابل توجہ ہیں، وہاں جو نقشہ کھینچا گیا وہ یہود اور منافقین دونوں پر راست آتا ہے۔ فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا

بِاللّٰہِ وَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ○ کہ لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر پر' حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ اس میں در حقیقت یہود کے اس موقف کی ترجمانی بھی ہوگئی کہ وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے ماننے والے اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے ہیں' اب جھگڑا صرف رہ جاتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا۔ تو چلئے اگر اتنی سی بات رہ بھی جائے تو اس میں حرج کیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہماری یہ حیثیت تسلیم کریں کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہی معاملہ تھا کہ یہود کے زیر اثر جب اوس اور خزرج کے کچھ لوگوں تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے بھی کچھ اسی طرز کا موقف اختیار کیا کہ اگر ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اور متابعت اختیار نہ بھی کریں تب بھی ہمارے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا! لیکن پھر جب کوئی ایسا موقع آتا تھا کہ ان کی کوتاہی پر ان کو سرزنش کی جاتی تھی اور انہیں کوئی وضاحت یا کوئی معذرت پیش کرنی پڑتی تو ان کی طرف سے اپنے ایمان کے ادعاء اور اظہار کے لئے جو سب سے زیادہ پر زور بات کہی جاتی تھی وہ یہی تھی کہ ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت میں ایمانیات میں سے صرف ایمان بالرسالت کا ذکر ہے: "اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ"۔ کہ منافق لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد بڑے ہی لطیف پیرائے میں تعریض کے انداز میں فرمایا: "وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ"۔ کہ اللہ سے بڑھ کر کس کو معلوم ہوگا کہ آپؐ اس کے رسول ہیں! ـــــ اللہ کو خوب معلوم ہے آپؐ اس کے رسول ہیں' لیکن فی الحقیقت یہ منافق کذب بیانی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ گویا کہ جو بات ان کی زبان سے نکل رہی ہے وہ اگرچہ لفظاً غلط نہیں ہے' لیکن ان کا قول ان کی دلی کیفیات کی ترجمانی نہیں بلکہ تکذیب کر رہا ہے' یہ لوگ دل سے آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے۔ لہٰذا فرمایا: "وَ اللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ" (ترجمہ) "اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔"

نفاق کے درجات اور انکی علامات

یہاں لفظ "کذب" خاص طور پر لائق توجہ ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ

یہ کذب ہی درحقیقت نفاق کا نقطۂ آغاز ہے۔ چنانچہ سورۃ المنافقون کی پہلی ہی آیت میں اس کی نشان دہی ہوگئی۔ ابتدا میں تو یہ کذب سادہ سے جھوٹ کی صورت میں ہوتا ہے' لیکن آگے بڑھ کر جب یہ مرض دوسرے مرحلے میں داخل ہوتا ہے تو پھر یہ جھوٹی قسموں کی شکل اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں دیکھئے' قسموں کا ذکر آگیا۔ فرمایا: "اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً" (ترجمہ)"انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔" یمین داہنے ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور چونکہ قسم کھاتے ہوئے اور قول و قرار کے موقع پر داہنا ہاتھ اٹھانے کی ایک روایت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے' لہٰذا قسم کو بھی یمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ ان منافقوں نے اپنی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنا لیا ہے۔ اگر آپ ان سے پرسش کریں' کوئی پوچھ گچھ کریں یا ان کو کہیں بھی کسی معاملے میں اپنے موقف کی وضاحت کرنی پڑے تو فوراً قسموں کو اپنی ڈھال کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ہے' اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ درست ہے!--- اپنی قسموں کو ڈھال بنانے کا نتیجہ یہ ہے کہ "فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ"۔ صَدَّ یَصُدُّ عربی زبان میں لازم اور متعدی دونوں معنی دیتا ہے۔ یہاں مفہوم یہ ہوگا کہ پس یہ خود بھی رک گئے ہیں اللہ کے راستے سے اور دوسروں کو بھی روکنے کا سبب بن گئے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ہر فرد اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے دوسروں کے لئے نمونہ بنتا ہے۔ وہ یا تو خیر کی تشویق و ترغیب کا سبب بنے گا' یا دوسروں کے لئے شر کا راستہ کھولے گا اور نمونۂ شر بنے گا۔ "اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ" (ترجمہ)"واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی برا طرزِ عمل ہے جو انہوں نے اختیار کیا ہے"۔ یعنی انجام کار کے اعتبار سے یہ بہت ہی بری روش ہے۔ دنیا میں تو شاید وقتی طور پر انہیں یہ محسوس ہوتا ہو کہ ہم نے اپنے اس طرزِ عمل کی بدولت جان و مال کا تحفظ حاصل کر لیا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ انجام کار کے اعتبار سے بہت ہی غلط طرزِ عمل ہے جو انہوں نے اختیار کیا۔

نفاق کا اصل سبب

یہاں اس آیۂ مبارکہ میں "عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" کے الفاظ نوٹ کر لئے جائیں۔ یہ گویا کہ نشان دہی کر رہے ہیں کہ نفاق کا اصل سبب اعراض عن سبیل اللہ یعنی اعراض عن

الجہاد فی سبیل اللہ ہے۔ منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی درجے میں نمازیں پڑھنے کو تیار تھے' لیکن جان و مال کے ساتھ جہاد' اس سے ان کی جان جاتی تھی۔ عبداللہ ابن اُبی کا قول روایات میں آتا ہے کہ ہم نے زکوٰتیں بھی دی ہیں' لیکن اللہ کی راہ میں جان و مال کھپانے کا ہر وقت کا جو ایک تقاضا اور مطالبہ ہر دم ہمارے سروں پر مسلط رہتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں' اللہ کے دین پر پھر ایک کٹھن مرحلہ آگیا ہے' اپنی جانیں اور اپنے مال پیش کرو' یہ ہم پر بہت شاق ہے۔ یہ وہ چیز تھی جو ان کو قدم قدم پر روکتی تھی۔ یہی وہ سبب اور بنیاد ہے کہ جس پر درحقیقت نفاق کا یہ پورا قصر تعمیر ہوتا ہے۔

نفاق کی اصل حقیقت

"ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا"--- اب یہاں نفاق کی اصل حقیقت کا ذکر آرہا ہے' جس کے بارے میں اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ نفاق کی ایک قسم وہ بھی تھی اور یقیناً تھی کہ انسان اسلام کا لبادہ ہی دھوکے کے تحت' فریب دینے کے لئے اوڑھتا تھا اور ایمان کی کبھی کوئی رمق اسے نصیب ہوتی ہی نہ تھی ـــــ لیکن حقیقت کے اعتبار سے نفاق کی جو اصل نوعیت تھی وہ یہاں بایں الفاظ واضح ہورہی ہے: "ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا"۔(ترجمہ) "یہ اس لئے ہوا کہ وہ ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کی روش اختیار کی"۔ نوٹ کیجئے کہ یہ کفر قانونی کفر نہیں ہے۔ اگر تو کوئی شخص ایمان لانے کے بعد علانیہ کافر ہوجائے تو وہ مرتد قرار پائے گا۔ لیکن منافق مرتد نہیں تھے۔ وہ ہمیشہ اہلِ ایمان کی صفوں میں' قانونی اسلام کے دائرے میں رہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں یہ لفظ کفر کفرِ حقیقی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جس طرح ایک ایمان قانونی ایمان ہے اور ایک ایمان حقیقی ایمان ہے' اسی طرح ایک کفر قانونی کفر ہے یعنی علانیہ کفر' اور ایک ہے کفرِ حقیقی۔ اس کفر حقیقی کو اپنے ذہن میں نفاق کے مساوی قرار دے لیجئے۔ یعنی کفر حقیقی ہی دراصل نفاق ہے۔

سورۃ المنافقون میں نفاق کے موضوع سے متعلق سارے مضامین بڑے ہی اختصار کے ساتھ سمو دیئے گئے ہیں' لیکن اس آیۂ مبارکہ کی جو شرح سورۃ النساء میں وارد ہوئی ہے اس سے انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ پورا PROCESS ایک دم اور یکبارگی نہیں ہو جاتا اور انسان یہ فیصلے اچانک اور ایک ہی مرتبہ نہیں کرلیتا' بلکہ اس میں بہت

سے اتار چڑھاؤ آتے ہیں' انسان کبھی آگے بڑھ رہا ہے' کبھی پیچھے ہٹ رہا ہے' پھر کچھ آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے' پھر پیچھے ہٹ گیا ہے۔ اس طرح کی کیفیت دیر تک رہتی ہے' تا آنکہ پھر مرضِ نفاق دل میں راسخ ہو جاتا ہے اور اپنی جڑیں مضبوطی سے جما لیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں جو الفاظ آئے ہیں وہ بڑے فکر انگیز ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَہُمْ وَلَا لِیَھْدِیَہُمْ سَبِیْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَہُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ۝

"بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے' پھر انھوں نے کفر کیا' پھر ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے' اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں راہ یاب کرنے والا ہے۔ (اے نبیؐ) ایسے منافقوں کو آپ بشارت سنا دیجئے کہ ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔"

یہ ہے مرضِ نفاق کے شکار انسان کی باطنی کیفیت کا نقشہ کہ کچھ آگے بڑھا' پھر پیچھے ہٹا' کچھ حالات بہتر ہوئے اور آسانی ہوئی تو سرگرمی کے ساتھ کچھ پیش قدمی کی' لیکن پھر کہیں کوئی مشکل مرحلہ آگیا تو پسپائی اختیار کر لی۔ اس کیفیت کی تمثیل اس سے پہلے سورۃ البقرہ کے دوسرے رکوع کے حوالے سے بیان کی جا چکی ہے کہ **"کُلَّمَآ اَضَآءَ لَہُمْ مَّشَوْا فِیْہِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْہِمْ قَامُوْا"** کہ ایمان کے راستے میں' ایمان کے تقاضوں کو ادا کرنے میں کچھ آگے بڑھتے ہیں' قدم اٹھاتے ہیں' پھر ہمت جواب دے دیتی ہے۔ جان و مال کھپانے کے تقاضے بڑے کڑے اور بڑے کٹھن نظر آنے لگتے ہیں تو انسان بیٹھ رہتا ہے۔ پھر کمرِ ہمت کستا ہے' پھر بیٹھ رہتا ہے۔ یہ عمل جاری رہتا ہے' تا آنکہ ایسا انسان مستقلاً بیٹھ رہتا ہے اور اس سے ہمت و کوشش کی توفیق ہی سلب ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس کے بارے میں یہاں فرمایا: **"فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ فَہُمْ لَا یَفْقَہُوْنَ"** (ترجمہ) "تو ان کے دلوں پر مہر ہو چکی' پس وہ فہم سے عاری ہو چکے ہیں"۔

اس کے لئے قرآن حکیم میں "طبع قلوب" کے علاوہ "ختم قلوب" کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تراکیب مفہوم' معنی اور نتیجے کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔ سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع میں کھلے کھلے کافروں کے ذکر کے ضمن میں الفاظ آئے ہیں:

"خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" جبکہ یہاں منافقین کے ضمن میں فرمایا گیا ہے: فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ "پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے"۔ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ "چنانچہ وہ فہم سے عاری ہو چکے ہیں"۔ اسی کو سورۃ البقرہ میں "صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی یہ اندھے' بہرے اور گونگے ہو چکے ہیں' ان کی سماعت وبصارت کی صلاحیتیں بظاہر موجود ہیں' لیکن وہ بصارت حقیقی سے تہی دست ہو چکے ہیں' سماعت حقیقی سے محروم ہو چکے ہیں اور اب ان کے لوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔

بقیہ: عرض احوال

ہیں۔ انہوں نے کہا کہ غیر مسلموں کو ذمی قرار دے کر ان کے جان ومال' عزت وآبرو' تہذیب وتمدن اور رسوم ومذہب کو مکمل دستوری اور قانونی ضمانت فراہم کرنے کا اہتمام کیا جائے اور دین کے اصولوں کے مطابق ان سے جزیہ لیا جانا چاہئے جو فی الحقیقت اس تحفظ کی جزا اور سرکاری ٹیکس ہے جس کے مقابلے میں مسلمانوں سے پوری پوری زکوٰۃ کی وصولی کا اہتمام ہونا چاہئے۔"

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

راہِ نجات
سورۃ العصر کی روشنی میں

جو ایک نہایت وقیع تحریر اور ایک حد درجہ جامع تقریر پر مشتمل ہے'
کا نیا ایڈیشن نئی آب وتاب اور عمدہ کتابت وطباعت کے ساتھ شائع ہو گیا ہے

قیمت اعلیٰ ایڈیشن: ۳۰/- روپے (مضبوط دیدہ زیب جلد' سفید کاغذ)

" اشاعت عام: ۱۰/- " (غیر مجلد' دبیز اخباری کاغذ)

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن'

اسلامی انقلاب

معنی و مفہوم اور اس کے لیے قرآنی و دیگر اصطلاحات

(بسلسلہ منہج انقلاب نبویؐ)

از قلم: ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی پاکستان

یوں تو اسلامی انقلاب کی اصطلاح بعض مذہبی حلقوں میں ایک محدود پیمانے پر پہلے سے بھی گردش میں تھی، لیکن ایران میں شاہ کی حکومت کے خاتمے اور جناب خمینی کی قیادت و سیادت میں علماء کی حکومت کے قیام کے بعد سے تو یہ اصطلاح صرف عالم اسلام ہی میں نہیں، پورے شرق و غرب میں نہایت کثرت سے استعمال ہو رہی ہے۔ چنانچہ پاکستان کی بھی وہ تمام مذہبی جماعتیں جو سیاسی میدان میں بر سرِ کار ہیں، اسے نعرے کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں، اگرچہ اس پر کبھی وضاحت کے ساتھ گفتگو نہیں ہوئی کہ اس سے مراد کیا ہے اور یہ کیسے برپا کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ پانچ چھ سال قبل، ایک سال کے وقفے سے جمعیت علماءِ اسلام کے اس وقت کے دو گروپوں کی بڑی کانفرنسیں مینارِ پاکستان لاہور کے زیرِ سایہ منعقد ہوئیں تو دونوں ہی میں صبح سے شام تک بڑی انقلابی تقریریں ہوئیں، اور اسلامی انقلاب کے فلک شگاف نعرے لگے (اور ایک میں تو کلاشنکوف بھی فضا میں لہرائی گئی!) لیکن دونوں ہی کے اختتام پر کارکنوں کو جو آخری پیغام دیا گیا وہ یہ تھا کہ الیکشن قریب ہیں، تیاری شروع کردو!------ حالانکہ کم از کم یہ حقیقت تو اظہر من الشمس ہے کہ انقلاب کہتے ہیں نظام کے بدلنے کو، اور انتخابات کے ذریعے کسی نظام کو بنیادی طور پر تبدیل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ صرف اسے چلانے کے لئے ہاتھ منتخب کئے جاتے ہیں۔ بنابریں شدید ضرورت ہے کہ "اسلامی انقلاب: کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟" کے موضوع پر قدرے

تفصیل کے ساتھ بات کی جائے۔ چنانچہ آج سے اللہ کا نام لے کر اور اس کی تائید و نصرت کے بھروسے پر اس کا آغاز کیا جارہا ہے!

اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ "اسلامی انقلاب" ایک جدید اصطلاح ہے۔ اور قرآن حکیم کے بارے میں تو یہ قطعی اور حتمی طور پر معلوم ہے کہ اس میں یہ اصطلاح کہیں بھی وارد نہیں ہوئی۔ گمان غالب یہ ہے کہ حدیث کے پورے ذخیرے میں بھی یہ اصطلاح کہیں موجود نہیں ہے۔ تاہم قرآن مجید میں اس کے ہم معنی الفاظ اور مترادف اصطلاحات بکثرت موجود ہیں اور حدیث میں بھی کم از کم ایک اضافی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔

نحو کی رو سے "اسلامی انقلاب" مرکب توصیفی ہے اور اس کے مفہوم و مطلب کی تعیین کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے دونوں اجزائے ترکیبی کے مفہوم کو معین کرلیا جائے۔

انقلاب عربی زبان کا لفظ ہے اور "ق ل ب" کے مادے سے بابِ انفعال کا مصدر ہے۔ اس مادے کا بنیادی مفہوم کسی حالت یا کیفیت میں تبدیلی پیدا ہوجانا ہے۔ اور اغلباً دل کو قلب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت ہر وقت بدلتی رہتی ہے اور اسے کسی حالت پر قرار حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ ہر دم یا پھیل رہا ہوتا ہے یا سکڑ رہا ہوتا ہے!

بابِ انفعال کی خصوصیت غیر پر اثر انداز ہونے کی بجائے خود اثر پذیر ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ "انفعال" خود بھی شرمندگی اور خجالت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (جیسے علامہ اقبال کے نوعمری کے زمانے کے کہے ہوئے اس شعر میں ہے جس پر حضرت داغ نے دل کھول کر داد دی تھی۔ یعنی۔"موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے۔ قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے")بنا بریں --- "انقلاب" کے لفظی معنی ہیں: بدل جانا یا ہوجانا' اور لوٹ جانا یا لوٹ آنا۔

اردو زبان میں یوں تو لفظ "انقلاب" اپنے اصل لغوی معنی کے اعتبار سے

خالص نجی حالات اور انفرادی کیفیات کی تبدیلی سے لے کر نظامِ اجتماعی کی ہمہ گیر تبدیلی تک کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور اس کا اطلاق خالص ذہنی و فکری اور نظریاتی و نفسیاتی تغیر سے لے کر اخلاق و کردار کے جملہ پہلوؤں حتیٰ کہ ریاست و حکومت تک کی تمام سطحوں کی تبدیلیوں پر کردیا جاتا ہے، چنانچہ ذہنی انقلاب، فکری انقلاب، نظریاتی انقلاب، اخلاقی انقلاب، عملی انقلاب، سماجی انقلاب، ثقافتی انقلاب، صنعتی انقلاب، معاشی انقلاب، سیاسی انقلاب، حتیٰ کہ فوجی انقلاب تک کے الفاظ عام طور پر استعمال ہوتے ہیں، لیکن اصطلاحاً اس کا اطلاق کسی ملک یا معاشرے کے اجتماعی نظام میں کسی اساسی نوعیت اور قابل لحاظ مقدار کی حامل تبدیلی پر ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ۳۰۰ء کے لگ بھگ جب رومی شہنشاہ قسطنطین نے بت پرستی اور دیویوں اور دیوتاؤں کے مذہب کو ترک کر کے عیسائیت اختیار کی اور اس کے نتیجے میں ایک عظیم سلطنت کی پوری آبادی کا مذہب تبدیل ہوگیا تو اگرچہ یہ عقیدہ اور مذہب کی سطح پر تاریخِ انسانی کی عظیم ترین تبدیلی تھی لیکن اس واقعہ کو کبھی "انقلابِ عالم" کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس کے برعکس فرانس کا انقلاب بجا طور پر "انقلاب" کہلانے کا مستحق قرار پایا۔ اس لئے کہ اس کے ذریعے سیاسی نظام میں بنیادی تبدیلی رونما ہوئی۔ اسی طرح روس کا اشتراکی انقلاب بھی واقعۃً "انقلاب" تھا۔ اس لئے کہ اس کے نتیجے میں کم از کم معاشی نظام جڑ بنیاد سے تبدیل ہوگیا وَقِسْ عَلٰی ذٰلِکَ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ "انقلاب" کے لفظ کا بہ تمام و کمال اطلاق اگر ہوسکتا ہے تو صرف اور صرف اس ہمہ گیر اور ہمہ جہتی تبدیلی پر جو اب سے چودہ سو سال قبل جزیرہ نمائے عرب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس سالہ جدوجہد کے نتیجے میں رونما ہوئی تھی!

اس لئے کہ اس "انقلابِ محمدیؐ" کے نتیجے میں خالص انفرادی معاملات حتیٰ کہ عقائد و نظریات سے لے کر "قوم و آئین و حکومت" کی بلند ترین سطح تک ہر شے

بدل گئی، یہاں تک کہ وہاں شاید خوردبین کے ذریعے ہی کسی ایسی چیز کا سراغ مل سکے جو اپنی سابقہ حالت پر برقرار رہ گئی ہو۔ چنانچہ اپنوں کی مدح و ستائش سے قطع نظر اس کی گواہی موجودہ صدی کے اوائل میں تو دی تھی ایم این رائے ایسے عظیم انقلابی انسان نے اپنی تالیف "Historical Role of Islam" میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلابی رہنما قرار دے کر، اور حال ہی میں یہ گواہی زیادہ مؤثر اور مدلل انداز میں دی ہے ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی تالیف "THE 100" میں آنحضورؐ کو نسلِ آدم کا عظیم ترین فرد قرار دے کر اور اس کی دلیل کے طور پر اس حقیقت کو پیش کر کے کہ "وہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نسلِ انسانی کے واحد فرد ہیں جو بیک وقت مذہبی اور سیاسی دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب ہیں"۔

"انقلاب" اگرچہ عربی زبان کا لفظ ہے، لیکن چونکہ ——— اولاً یہ قرآن و حدیث میں استعمال نہیں ہوا تھا——— ثانیاً جب سے یورپ میں انقلابات کے دور کا آغاز ہوا عالمِ عرب ع "جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی!" کے مصداق شدید جمود کی گرفت میں تھا اور غفلت کی گہری نیند میں مدہوش تھا، لہٰذا ماضی قریب کی "جدید عربی" بھی اس لفظ سے خالی رہی، بلکہ اس کے برعکس جب مختلف عرب ممالک میں عوامی بیداری پیدا ہوئی اور یکے بعد دیگرے عرب ملکوں میں فوجی انقلاب آنے شروع ہوئے تو ان کے لئے بھی جو لفظ استعمال ہوا وہ "انقلاب" کا نہیں بلکہ "ثورۃ" کا تھا۔ اس لئے کہ اس لفظ کے اساسی مفہوم میں ہیجانی اور طوفانی کیفیات جزو لاینفک کی حیثیت سے شامل ہیں اور عرب عوام کی بیداری کی کیفیت واقعۃً کسی انسان کے گہری نیند سے چونک جانے اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھنے بلکہ بھاگ پڑنے کی کیفیت سے مشابہ تھی!——— تاہم مولانا مسعود عالم ندویؒ نے اب سے تیس چالیس سال قبل "اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے؟" کا ترجمہ "**منہاج الانقلاب الاسلامی**" سے کیا تھا اور اب تدریجاً پورے عالمِ عرب میں "انقلاب" ہی "ثورۃ" کی جگہ لے رہا ہے۔

انگریزی زبان کے لفظ "Revolution" کا معاملہ بھی بالکل اردو کے "انقلاب" ہی کے مانند ہے۔ چنانچہ مسٹر کرین برنٹن نے اپنی مشہور تالیف "The Autonomy of Revolution" میں اس لفظ پر کئی صفحات میں بحث کی ہے جس کا حاصل وہی ہے جو لفظِ انقلاب کے ضمن میں اوپر بیان ہوچکا ہے۔ البتہ انگریزی زبان کی کم از کم یہ احتیاط قابلِ ذکر ہے کہ اس میں کسی ملک میں فوجی حکومت کے قیام کو "انقلاب" یا ریوولیوشن" کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لئے ایک جداگانہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے یعنی "Coup d'etat" اس لئے کہ اس صورت میں ملک کے نظامِ اجتماعی میں کوئی اساسی تبدیلی واقع نہیں ہوتی بلکہ اوپر کے انتظامی ڈھانچے میں ایک عنصر کا "اضافہ" ہوتا ہے!

رہا "اسلام" تو وہ اللہ کے دین کے لئے اسمِ علَم کی حیثیت رکھتا ہے۔ لفظاً ـــــــ اسلام "س ل م" کے مادے سے بابِ افعال کا مصدر ہے۔ اس مادے کا اصل مفہوم امن اور سلامتی ہے۔ فعل کی صورت میں جب یہ ثلاثی مجرد میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں "خود سلامتی میں ہونا" اور اس سے اسمِ فاعل بنتا ہے "سالم" جس کے معنی ہیں صحیح و ثابت اور پورے کا پورا بغیر کمی کے' ("جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی۔ اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے") اور جب یہ بابِ افعال سے آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی دوسرے کو سلامتی دینا یا اس کے حق میں سراپا سلامتی بن جانا' اور اس سے اسم فاعل بنتا ہے "مسلم" یعنی غیر مضر اور غیر متحارب!۔

لفظِ "اسلام" کے محاوراتی استعمالات میں کچھ ایسا مشترک پس منظر سامنے آتا ہے کہ جیسے دو فریقوں کے درمیان مقابلہ اور کشاکش جاری ہو اور دفعتہً ان میں سے ایک مقابلے سے دستکش ہو کر دوسرے کی اطاعت قبول کر لے۔ اسی لئے فارسی میں "اسلام" کے مفہوم کی تعبیر کے لئے "گردن نہادن" اور "سپر انداختن" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

جیسے کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے' اسلام اللہ کے دین کے لئے اسمِ علَم کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹ میں مثبت طور پر ارشاد ہوتا ہے: **اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ** "یقیناً اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے"--- اور منفی انداز میں آیت ۸۵ میں فرمایا گیا: **وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ** "جو اسلام کے سوا کسی دین کو اختیار کرے گا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا!"---- لہٰذا اس بحث میں لفظ "دین" کے لغوی اور اصطلاحی معنوں پر غور بھی لازمی ہے۔

عربی لغت میں "دین" کا اساسی مفہوم بالکل وہی ہے جس میں یہ لفظ اساس القرآن یعنی سورۃ الفاتحہ میں استعمال ہوا ہے یعنی بدلہ یا جزا و سزا۔ اس لئے کہ بدلہ لامحالہ نیکی کا جزا کی صورت میں ہوتا ہے اور بدی کا سزا کی صورت میں۔ اس لغوی اساس سے اٹھا کر قرآن حکیم نے جب لفظ "دین" کو اپنی مخصوص اصطلاح کی صورت دی تو اس میں اولاً اطاعت اور تابعداری کا مفہوم پیدا ہوا' اس لئے کہ بدلے اور جزا و سزا کا تصور مستلزم ہے کسی قانون اور ضابطے اور اس کی اطاعت یا مخالفت کے تصور کو۔ اور بالآخر اس نے "نظامِ اطاعت" کے معنی اختیار کرلئے جس کی اضافت حقیقی تو اس ذات کی جانب ہوتی ہے جسے مطاعِ مطلق مان کر اس کی رضا و منشأ کے مطابق زندگی کا تفصیلی ڈھانچہ اور ضابطہ تیار کیا جائے۔ البتہ اس کی مجازی اضافت و نسبت ان لوگوں کی طرف بھی ہوجاتی ہے جو اس نظامِ اطاعت کو قبول اور اختیار کرلیں' چنانچہ قرآن حکیم میں حقیقی اضافت کی مثالیں ہیں "**دِیْنُ الْمَلِکِ**" (سورۃ یوسف' آیت ۷۶) یعنی بادشاہ کا دین یا نظامِ شاہی اور "**دِیْنُ اللّٰہِ**" (سورۃ النصر' آیت ۲) یعنی اللہ کا دین یا "نظامِ اطاعتِ خداوندی" یعنی اسلام! اسی پر قیاس کرتے ہوئے عہدِ حاضر کے مقبول ترین نظامِ حکومت یعنی جمہوریت کو قرآنی اصطلاح میں تعبیر کیا جاسکتا ہے "**دین الجمہور**" سے۔

الغرض اسلام نام ہے اس مکمل نظامِ زندگی کا جو اللہ کو صرف محدود مذہبی معنوں میں معبودِ حقیقی ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وسیع تر تمدنی و سیاسی مفہوم میں

حاکمِ حقیقی اور مطاعِ مطلق مان کر اس کی مرضی و منشأ کے مطابق مرتب و منظم کیا جائے اور جو انسانی زندگی کے جملہ انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر حاوی ہو!

بنا بریں ---- اسلامی انقلاب کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ کسی ملک یا معاشرے میں اللہ کی حاکمیت کے اصول پر مبنی نظام بالفعل قائم ہوجائے۔ اور پوری قوم یا پورا معاشرہ مجموعی طور پر اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے نظامِ اطاعت کو عملاً قبول کرلے، اور جیسے کہ اس سے قبل "انقلاب" کے مفہوم کی وضاحت کے ضمن میں عرض کیا جاچکا ہے، اس معاملے میں اصل اہمیت اسلام کے نظامِ اجتماعی کی ہے نہ کہ افراد کے عقائد و اعمال کی۔ اس لئے کہ جہاں اخروی نجات و فلاح کے حصول اور افراد کی سیرت و کردار کی تعمیر کے اعتبار سے اہم تر معاملہ عقائد اور عبادات کا ہے، وہاں انقلاب کے نقطۂ نظر سے اصل اہمیت اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی اور دینِ حق کے نظامِ عدل و قسط کو حاصل ہے ---- یہی وجہ ہے کہ انقلاب محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل پر نظامِ اسلامی نے ان لوگوں کے لئے تو نہ صرف یہ کہ اپنے اندر گنجائش پیدا کرلی تھی جو اسلام کے عقائد و عبادات کو قبول نہ کریں، یعنی اسلام کو بطور "مذہب" اختیار نہ کریں بلکہ کسی دوسرے مذہب پر قائم رہیں، چنانچہ خواہ یہودی رہیں خواہ نصرانی، اور خواہ مجوسی رہیں خواہ کچھ اور، بلکہ انہیں ایک آئینی و دستوری حیثیت بھی عطا کردی تھی اور عقائد و عبادات پر مستزاد قانون شخصی کی حد تک مکمل آزادی بھی دے دی تھی، لیکن اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے ضمن میں کسی قسم کی نرمی یا لچک کو گوارا نہیں کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ یہ بنیادی اصول سب کے حق میں یکساں مؤثر اور رائج تھا کہ ---- "تم میں سے ہر ضعیف میرے نزدیک قوی ہوگا جب تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلوادوں اور ہر طاقتور کمزور ہوگا جب تک اس سے حق وصول نہ کرلوں"۔

اب آیئے کہ ہم یہ دیکھیں کہ "اسلامی انقلاب" کے اس مفہوم کو قرآن حکیم

نے کن الفاظ و اصطلاحات کے ذریعے واضح کیا ہے۔ اس ضمن میں تمہیداً اس حقیقت کی جانب اشارہ مفید ہو گا کہ قرآن حکیم کے مخصوص اسلوب میں ع "اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں"! کے مصداق "تصریف" یعنی ایک ہی مضمون کو مختلف الفاظ، مختلف پیرایہ ہائے بیان اور مختلف ترتیب سے بیان کرنے کو ایک مستقل وصف کی حیثیت حاصل ہے، چنانچہ اسلامی انقلاب کے مفہوم کو قرآن حکیم میں کم از کم چار مستقل اصطلاحات کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ تکبیرِ رب

اسلامی انقلاب کے لئے قرآن حکیم نے جو اصطلاح اولین دور یعنی آغازِ وحی کے متصلاً بعد استعمال کی وہ "تکبیرِ رب" ہے۔ چنانچہ سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات میں جو تقریباً بالاتفاق تیسری یا چوتھی وحی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عظیم اور تاریخ ساز احکام دیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝

"اے لحاف میں لپٹنے والے، اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو، اور اپنے رب کی تکبیر کرو"

"تکبیر" کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو بڑا کرنا یا بڑا بنانا، جیسے تصغیر کے معنی ہیں کسی چیز کو چھوٹا کرنا یا چھوٹا بنانا اور تسہیل کے معنی ہیں آسان کرنا یا آسان بنانا۔ چنانچہ عربی زبان کی عام کہاوت ہے "کبّرنی موتُ الکبراء" یعنی مجھے بڑا بنادیا بڑوں کی موت نے! لہٰذا تکبیرِ رب کے لفظی معنی ہیں اللہ کو بڑا کرنا یا بڑا بنانا اور اس سے مراد ہے وہ نظام بالفعل قائم کرنا جس میں اس کی بڑائی کو غیر مشروط طور پر تسلیم کیا جائے اور اس کے اوامر و نواہی اور قواعد و قوانین کو قطعی اور حتمی طور پر بالادستی حاصل ہو۔

گویا سورۃ المدثر کی مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ کے ترجمے کو اگر ذرا وضاحت سے

بیان کیا جائے تو یوں ہو گا:

"اے کپڑے میں لپٹے ہوئے (یعنی اے حکیمانہ غور و فکر یا عاشقانہ سوز و گداز میں مستغرق پیغمبر) کھڑے ہو جاؤ! (یعنی اپنے پیغمبرانہ مشن کی تکمیل اور فرائضِ رسالت کی ادائیگی کے لئے کمر کس لو) پس خبردار کردو (یعنی تمہاری اس جدوجہد کا نقطۂ آغاز ہے لوگوں کو بعث بعد الموت' حشر و نشر' حساب کتاب' جزاو سزا اور جنت و دوزخ کے بارے میں متنبہ کردینا) اور اپنے رب کی تکبیر کرو! (یعنی تمہاری اس جدوجہد کی منزلِ مقصود ہے اپنے رب کی کبریائی کا بالفعل قیام و نفاذ ـــــ یا بالفاظِ دیگر' اسلامی انقلاب!"

تکبیرِ رب کے مفہوم کی یہ عظمت اس سے بھی بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت جو نہایت معجزانہ جامعیت کے ساتھ توحید کے علمی اور عملی تقاضوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے' ختم ہوئی ہے ان پر جلال الفاظ پر کہ: وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ○ "اس کی بڑائی کرو جیسے اور جتنا کہ اس کی بڑائی کا حق ہے!" ـــــ اور ظاہر ہے کہ اللہ کی کبریائی کا حق صرف یہی نہیں ہے کہ اس کا اقرار کر لیا جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ اسے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر بالفعل قبول اور نافذ کیا جائے!

۲۔ اقامتِ دین

اسلامی انقلاب کے لئے دوسری اور اہم ترین قرآنی اصطلاح اقامتِ دین ہے' چنانچہ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں ارشاد ہوتا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ

"(اللہ نے) راہ ڈال دی (یعنی مقرر کردیا) تمہارے لئے دین (کے ضمن) میں وہی جس کی تاکید کی تھی اس نے نوحؑ کو' اور جس کی وحی کی ہم نے (اے نبیؐ) آپ کی جانب' اور جس کی تاکید کی تھی ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کہ قائم کرو (یا قائم رکھو) دین کو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو اس

کے بارے میں"!

اس آیۂ مبارکہ میں اگرچہ بعض نحوی مشکلات ہیں جن کی بنا پر مترجمین کے مابین اس کے ترجمے میں قدرے اختلاف واقع ہوا ہے' لیکن اس امر پر جملہ مفسرین و محققین کا اجماع ہے کہ مختلف رسولوں کو عطا ہونے والی شریعتوں کے مابین تو کسی قدر فرق و تفاوت رہا ہے' جیسے سورۃ المائدہ کی آیت ۴۸ میں بیان ہوا ہے' لیکن حضرت آدمؑ سے ایں دم تک دین ایک ہی رہا ہے اور اسی کو قائم رکھنے یا قائم کرنے کا تاکیدی حکم ہر رسول اور اس کی وساطت سے اس کی امت کو دیا جاتا رہا ہے!۔۔۔۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی ملک کا آئین یا دستور اساسی تو قائم و دائم رہے لیکن اس کے تحت تفصیلی قوانین میں وقتاً فوقتاً ردو بدل ہوتا رہے! گویا "دین" مشابہ ہے دستور کے اور شریعت مشابہ ہے قانون کے۔

رہی یہ بات کہ "اسلامی انقلاب" یا "اقامتِ دین" کے اعتبار سے زیادہ اہمیت اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی اور دینِ حق کے نظامِ عدل و قسط کے قیام کو حاصل ہے تو وہ اس سے ثابت ہوتی ہے کہ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں "اقامتِ دین" کے تاکیدی حکم کے فوراً بعد آیت ۱۵ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا کہ: **وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ** "مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل کروں"۔۔۔۔ اور آیت ۱۷ میں بڑے شاہانہ جلال کے ساتھ فرمایا گیا: **اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ** "اللہ وہ ہے جس نے کتاب بھی نازل فرمائی فیصلہ کن بات کے ساتھ اور میزان بھی نازل فرمائی!"۔۔۔۔ اور یہاں ظاہر ہے کہ میزان سے مراد وہ نظامِ عدل و قسط ہے جس میں ہر ایک کے حقوق و فرائض تولے جائیں!

۳۔ غلبۂ دینِ حق

"اسلامی انقلاب" کے لئے تیسری اور واضح ترین قرآنی اصطلاح ہے غلبۂ دینِ حق۔ چنانچہ قرآن حکیم میں تین مقامات پر (سورۃ التوبہ آیت ۳۳' سورۃ الفتح آیت ۲۸ اور سورۃ الصف آیت ۹) یہ الفاظ مبارکہ بغیر ایک شوشے کے فرق کے وارد

ہوئے ہیں:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمدؐ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دینِ حق (اسلام) کے ساتھ تاکہ وہ غالب کردے اس کو پورے کے پورے دین پر!"

قرآن حکیم میں بغیر ایک شوشے کے فرق کے تین بار وارد ہونے والے ان الفاظِ مبارکہ کی اہمیت پر اس وقت تفصیلی روشنی ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ یہ اجمالی اشارہ ضروری ہے کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انہیں پورے قرآن مجید کا عمود یعنی مرکزو محور قرار دیا ہے۔ اور فلسفۂ ولی اللہی کے ایک اہم شارح مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے انہیں بین الاقوامی یا عالمی اسلامی انقلاب کا عنوان قرار دیا ہے۔ اور یہ بات تو ہر انسان بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ ان الفاظِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کی اتمامی اور تکمیلی شان بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا یہ سیرت النبیؐ کے صحیح فہم کے لئے بمنزلہ کلید ہیں!------ اور یہ بات پہلے عرض کی ہی جاچکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیس سالہ مساعی کے ذریعے جزیرہ نمائے عرب میں فی الواقع تاریخِ انسانی کا جامع ترین اور محیر العقول انقلاب برپا کیا' جس کی نہایت وسیع و عریض علاقے تک توسیع ہوئی دورِ خلافتِ راشدہ میں۔ مزید برآں نبی اکرمؐ نے غیر مبہم الفاظ میں پیشینگوئی فرمائی ہے کہ قیامت سے قبل دوبارہ پورے کرۂ ارضی پر دینِ حق کا غلبہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ بقول شاہ ولی اللہ دہلویؒ اسی وقت سورۃ التوبہ' سورۃ الفتح اور سورۃ الصف کے ان الفاظ مبارکہ کی حقیقت بتمام و کمال جلوہ گر ہوگی!------ گویا ایک عالمی اسلامی انقلاب اللہ کی وہ اٹل اور مبرم تقدیر ہے جو بہر صورت پوری ہو کر رہے گی' خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناپسند ہو اور خواہ دنیا بھر کے کفار اور غیر مسلم اس کا راستہ روکنے کی کتنی ہی کوشش کرلیں------!

۴۔ دین کا بالکلیہ اللہ کے لئے ہوجانا

قرآن حکیم میں اسلامی انقلاب کی تعبیر کے لئے چوتھا اسلوب یہ اختیار کیا گیا ہے کہ "دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہوجائے!" کون نہیں جانتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس سالہ انقلابی جدوجہد کا ایک اہم اور نمایاں مرحلہ قتال فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں جنگ بھی تھا۔ یہ مرحلہ کب اور کیسے شروع ہوا اور اس میں کیا کیا نشیب و فراز آئے' اس موضوع پر تو مفصل گفتگو آئندہ "مراحلِ انقلاب" کے ضمن میں ہوگی' اس وقت صرف اس حقیقت کی جانب اشارہ مقصود ہے کہ قتال فی سبیلِ اللہ کے منتہائے مقصود کے بیان کے ذیل میں' قرآن حکیم میں دو مقامات پر "اسلامی انقلاب" کی چوتھی اصطلاح وارد ہوئی ہے یعنی یہ کہ: "فتنہ فرو ہوجائے اور دین بالکلیہ اللہ ہی کے لئے ہوجائے!" چنانچہ سورۃ الانفال کی آیت ۳۹ میں ارشاد ہوا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

"اور ان سے جنگ جاری رکھو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہوجائے!"

اور سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۳ میں بھی یہ الفاظِ مبارکہ صرف ایک لفظ کے سوا جوں کے توں وارد ہوئے ہیں۔

یہ بات تو اس سے قبل وضاحت کے ساتھ عرض کی ہی جاچکی ہے کہ "دین" اصطلاحِ قرآنی میں نظامِ اطاعت کے ہم معنی ہے اور دین کے بالکلیہ اللہ کے لئے ہوجانے کا مفہوم یہ ہے کہ نظامِ اجتماعی اپنے جملہ پہلوؤں سمیت بالکلیہ و بلا استثناء اطاعتِ خداوندی کا پابند اور احکامِ خداوندی کے تابع ہوجائے۔ جہاں تک احوالِ شخصیہ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اس معاملے میں مسلمان تو لا محالہ اللہ کے دین کے تابع ہی ہوں گے' البتہ غیر مسلم اس معاملے میں مستثنیٰ رہیں گے' چنانچہ عقائد' عبادات اور دیگر شخصی معاملات میں انہیں آزادی حاصل رہے گی۔

"فتنہ" عربی زبان میں کسوٹی کو کہتے ہیں جس پر رگڑنے سے کھرے اور کھوٹے

میں امتیاز کیا جاسکتا ہے' اور اصطلاحِ قرآنی میں ہر وہ شے یا امر یا حالت و کیفیت فتنہ ہے جس سے کسی صاحبِ ایمان کا ایمان امتحان اور آزمائش سے دوچار ہوجائے!——— چنانچہ ایک جانب وہ تمام چیزیں فتنہ کے حکم میں ہیں جن کی جانب میلان اور رغبت انسان میں طبعی طور پر موجود ہے' جن میں سرِفہرست ہیں مال اور اولاد ——— اور دوسری جانب معاشرے پر غیر اسلامی رجحانات کا غلبہ اور ریاست و حکومت پر غیر اللہ کا حاکمانہ تسلط عظیم ترین فتنہ ہیں اور اسی کو فرو کر کے نظامِ اجتماعی پر احکامِ خداوندی کی بالادستی کا بالفعل قیام ہی قتال فی سبیل اللہ کا آخری ہدف ہے۔

۵۔ قیامِ عدل و قسط

قرآن حکیم میں اسلامی انقلاب کی تعبیر کے لئے ایک پانچویں صورت بھی اختیار کی گئی ہے' یعنی "قیامِ عدل و قسط" لیکن اس کے ضمن میں ہم آئندہ ان شاء اللہ "اسلامی انقلاب کا اصل مقصد" کے عنوان سے مفصل گفتگو کریں گے۔

۶۔ اعلاء کلمۃ اللہ

مزید برآں اسلامی انقلاب کے لئے ایک اور اصطلاح حدیث نبویؐ میں بایں الفاظ وارد ہوئی ہے: **لِتکونَ کلمۃُ اللّٰہِ ھی العُلیا** "تاکہ اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہوجائے!"——— چنانچہ قتال فی سبیل اللہ کے ضمن میں امام بخاریؒ نے متعدد ابواب میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت درج کی ہے کہ اس سوال کے جواب میں کہ کوئی شخص مالِ غنیمت کے حصول کی نیت سے قتال میں حصہ لیتا ہے' کوئی کسی قومی یا علاقائی حمیت و عصبیت کی بنا پر جنگ میں شرکت کرتا ہے' کوئی محض اپنی شجاعت کے اظہار اور شہرت کے حصول کے لئے دادِ شجاعت دیتا ہے تو ان میں سے فی الواقع "اللہ کی راہ" میں کون ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **مَن قاتل لتکونَ کلمۃُ اللّٰہِ ھی العلیا فھو فی سبیلِ اللّٰہ** "جو جنگ کرے صرف اس مقصد کی خاطر کہ اللہ کی بات سب سے اونچی ہوجائے صرف وہی اللہ کی راہ میں ہے!"

گویا جیسے تکبیرِ رب کے ضمن میں عرض کیا جاچکا ہے کہ اگرچہ آسمانوں اور زمین میں "کبریائی" استحقاقاً بھی اللہ ہی کے لئے ہے اور بالفعل بھی اللہ ہی کے لئے ہے' لیکن انسانی زندگی کے محدود سے اختیاری دائرے میں بالعموم انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اللہ کی کبریائی کو چیلنج کردیا جاتا ہے' لہٰذا بندۂ مومن کا فرض ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اس چیلنج کا مقابلہ کرے اور کم از کم نظامِ اجتماعی پر اللہ کی کبریائی کو بالفعل نافذ کردے۔ اسی طرح اگرچہ فی الحقیقت تو اللہ ہی کی بات سب سے اونچی ہے لیکن چونکہ بالعموم انسان اپنے نفس کی خواہشات و شہوات اور اپنے ذہن کے تراشیدہ نظریات و قوانین کو اللہ کی بات سے بلند تر کردیتے ہیں' لہٰذا جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ "حق بحقدار رسید" والا معاملہ ہو اور اللہ کی بات سب سے اونچی اور اس کا جھنڈا سب سے بلند ہوجائے اور اسی کا نام "اسلامی انقلاب" ہے۔

۷۔ خدائی بادشاہت

اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مواعظ و نصائح میں جا بجا خدا کی بادشاہی اور آسمانی بادشاہت کا ذکر آتا ہے اور اگرچہ بعض مواقع پر اس کے مفہوم کے تعین میں کوئی متصوفانہ یا ماورائی تعبیر اختیار کرنے کی گنجائش ہوتی ہے لیکن متی کی انجیل میں شامل مشہور و معروف "پہاڑی کے وعظ" میں وارد شدہ حسب ذیل الفاظ کے بارے میں تو ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش موجود نہیں ہے کہ ان کا مفہوم بالکل وہی ہے جو تکبیرِ رب کا یا اقامتِ دین کا یا غلبۂ دینِ حق کا یا اعلاءِ کلمۃ اللہ کا:

"Thy Kingdom come.

Thy will be done in earth as it is in heaven."

(Mathew 6:10 __ king james version)

"اے رب تیری بادشاہت آئے اور تیری مرضی زمین میں بھی اسی طرح

چلے، جیسے آسمان میں چلتی ہے!"

واضح رہے کہ یہ الفاظ اس "Lord's Prayer" میں شامل ہیں جس کی حیثیت و اہمیت عیسائیوں کے یہاں بالکل وہی ہے جو ہمارے یہاں سورۃ الفاتحہ کی! گویا اسلامی انقلاب کے لئے انجیل کی قدیم اصطلاح ہے خدائی بادشاہت کا قیام!

بیسویں صدی عیسوی کی اصطلاحات

بیسویں صدی عیسوی کو امتِ مسلمہ کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس صدی کے اوائل میں (پہلی جنگِ عظیم کے بعد) امت مسلمہ اپنی چودہ سو سالہ تاریخ کے دوسرے دورِ زوال کی انتہا تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعد کے ساٹھ ستر سال کا عرصہ ایک عجیب نقشہ پیش کرتا ہے، یعنی یہ کہ ایک جانب زوال کے سائے بھی مزید گہرے ہو رہے ہیں تو دوسری جانب ایک ہمہ جہتی احیائی عمل کا آغاز بھی ہوگیا ہے اور امت مسلمہ بحیثیت مجموعی اپنے تیسرے اور آخری عروج کی جانب پیش قدمی شروع کرچکی ہے۔ اس گھمبیر احیائی عمل میں جہاں قومی اور سیاسی تحریکیں بھی بر سرِ کار رہیں، اور مذہبی اور اصلاحی تحریکیں بھی پروان چڑھیں وہاں ایسی خالص احیائی و انقلابی تحریکوں کا بھی آغاز ہوا جن کا مطمحِ نظر دینِ حق کی کامل تجدید یعنی اسلامی انقلاب تھا۔ ان تحریکوں کے داعیوں نے اس ضرورت کے پیشِ نظر جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے، یعنی یہ کہ ہر دور میں ابلاغ کا حق ادا کرنے کے لئے اس دور کے مخصوص محاورے میں کلام لازم ہوتا ہے، تکبیرِ رب یا اقامتِ دین یا غلبۂ دین یا اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے مختلف اوقات و مراحل پر مختلف اصطلاحات کو ابلاغِ عام کا ذریعہ بنایا جن میں سے تین درج ذیل ہیں:

۱۔ حکومتِ الٰہیہ کا قیام

ان میں سے اہم ترین اصطلاح جسے اس صدی کے اوائل میں متعدد اصحاب دعوت و عزیمت نے استعمال کیا، حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہے۔

اس اصطلاح کو سب سے پہلے الہلال اور البلاغ کے مدیر اور حزب اللہ کے مؤسس و امیر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے استعمال کیا تھا۔ پھر جب وہ بعض علماء کی مخالفت و مزاحمت سے بد دل ہو کر بالکلیہ جہادِ حریت میں مصروف اور انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوگئے تو ان کے مشن کو ان ہی کی ایجاد کردہ اصطلاح کے حوالے سے از سرِ نو شروع کیا مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم، مدیر ترجمان القرآن، اور بانی جماعتِ اسلامی نے۔ اسی طرح اس اصطلاح کو اختیار کیا خاکسار تحریک کے داعی و سربراہ علامہ عنایت اللہ مشرقی مرحوم اور ان کے علاوہ بعض دوسرے نسبتاً غیر معروف اصحاب مثلاً خیری برادران وغیرہم نے!(اگرچہ جماعتِ اسلامی کی حد تک مولانا امین احسن اصلاحی کی شمولیت کے بعد سے ان کے زیرِ اثر اس کی جگہ "اقامتِ دین" کی ٹھیٹھ قرآنی اصطلاح استعمال ہونے لگی تھی۔)

۲۔ قیامِ نظامِ اسلامی

۴۸-۱۹۴۷ء میں جب جماعتِ اسلامی نے پاکستان کی عملی سیاست کے میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا تو فطری طور پر حکومت الٰہیہ اور اقامتِ دین کی جگہ کسی ایسی اصطلاح کی ضرورت محسوس ہوئی جو زیادہ آسان اور عوام الناس کے لئے قابل فہم ہو۔ چنانچہ پاکستان میں مولانا مودودی مرحوم کی پہلی عوامی تقریر کا عنوان قرار پایا "مطالبۂ نظامِ اسلامی" اور اس کے بعد لگ بھگ ربع صدی تک یہی اصطلاح جماعت کے عوامی مقرروں کی تقریروں کا عنوان بنی رہی۔ چنانچہ اس دور کے لسان طائفہ جناب نعیم صدیقی نے اپنی ایک رجزیہ نظم میں فرمایا تھا

"بول شہرِ نظامِ اسلامی!
کیا تیرے سقف و بام کہتے ہیں!
تیرے در پر کھڑے ترے والی
آج تجھ کو سلام کہتے ہیں!!"

۳۔ نفاذِ نظامِ مصطفیٰ

اس سلسلے کی آخری اصطلاح نفاذِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ۱۹۷۷ء میں متحدہ قومی محاذ (PNA) کی تحریک کا عنوان بنی اور جس سے کچھ عرصے کے لئے پاکستان کا پورا طول و عرض اسی طرح گونج اٹھا جیسے ۴۷-۱۹۴۶ء میں پورا برِعظیم پاک و ہند "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ" کے نعرے سے گونج اٹھا تھا ——!

اس موقع پر نظامِ اسلامی کی جگہ نظامِ مصطفیٰ کی اصطلاح کچھ تو اس بنا پر اختیار کی گئی کہ عوامی تحریکوں میں جذبات کا معاملہ بہت اہم ہوتا ہے اور ہر مسلمان کو، قطع نظر اس سے کہ وہ باعمل ہو یا بے عمل، اور متقی ہو یا فاسق و فاجر، بہرصورت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے جو جذباتی وابستگی ہے اس کی بنا پر اس کے جذبات میں جو اہتزاز و ارتعاش نظامِ مصطفیٰ کے الفاظ سے ہوتا ہے وہ نظامِ اسلامی سے نہیں ہوتا —— اور دوسرا اور اہم تر معاملہ جماعتی اور فرقہ وارانہ مصلحتوں کا تھا۔ لیکن ہمارے پیشِ نظر اس وقت صرف اس امر کی وضاحت ہے کہ اگرچہ "اسلامی انقلاب" بلاشبہ ایک جدید اور حادث اصطلاح ہے تاہم اس کا مفہوم قدیم ہے —— اور وہ وہی ہے جو قرآن و حدیث کی اصطلاحات، تکبیرِ رب "اقامتِ دین" "غلبۂ دینِ حق" اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کا ہے اور اس کا مطلوب و مقصود وہی ہے جو انجیل کی اصطلاح میں خدائی بادشاہت اور بعض دینی تحریکوں کی اختیار کردہ اصطلاح کے مطابق حکومت الٰہیہ، نظامِ اسلامی اور نظامِ مصطفیٰ کے قیام کا ہے! ——

آئندہ ان شاء اللہ العزیز ہم یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلام میں اس نظامِ عدلِ اجتماعی کی اہمیت کیا ہے جس کا قیام "اسلامی انقلاب" کا مقصود و مطلوب ہے۔ اور اس سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کے اہم خدو خال کیا ہوں گے جو اس کے نتیجے میں قائم ہوگا تاکہ "اسلامی انقلاب: کیا؟" کا جواب مکمل ہو جائے۔

○○

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

'یادِ یارِ مہرباں آید ہمے' (۲)

بسلسلہ "مولانا مودودی مرحوم اور میں" ---- از قلم 'ڈاکٹر اسرار احمد

گذشتہ میثاق میں "مولانا مودودی اور میں" کے زیر عنوان امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک سلسلہ وار مضمون کی تین اقساط یکجا شائع ہوئیں۔ ان میں سے پہلی دو اقساط آج سے قریباً دس سال قبل سپردِ قلم کی گئی تھیں جبکہ تیسری قسط حال ہی کی تحریر کردہ تھی۔ یہ مضمون ابھی نامکمل تھا۔ اس کا باقی ماندہ حصہ جس کی اشاعت کا وعدہ پچھلے شمارے میں کیا گیا تھا' اب ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے ---- مزید برآں مضمون کے آخر میں بطورِ ضمیمہ محترم ڈاکٹر صاحب کے وہ دو خطوط شامل کئے گئے ہیں جو انہوں نے پچھلے سال سابق امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد صاحب اور جماعت کے ایک بزرگ اور صاحبِ قلم رکن جناب نعیم صدیقی صاحب کے نام تحریر کئے تھے۔ یہ دونوں خطوط چونکہ نفسِ مضمون کے اعتبار سے زیرِ نظر قسط کے ساتھ شدید طور پر مربوط ہیں لہٰذا انہیں شاملِ اشاعت کرنا ضروری خیال کیا گیا ہے' تاہم ان کے جو جوابات موصول ہوئے تھے وہ اس خیال سے شاملِ شمارہ نہیں کئے جارہے کہ اس ایک سال کے دوران حالات میں جو تغیر واقع ہوچکا ہے اس کے پیشِ نظر اندیشہ ہے کہ ان کی اشاعت قابلِ احترام مکتوب نگار حضرات کے لئے باعثِ خجالت ہوگی! ---- پچھلی قسط کا اختتام درج ذیل الفاظ پر ہوا تھا:

"ہفت روزہ تکبیر کی ۱۷ر اور ۲۴ر ستمبر ۹۲ء کی اشاعتوں میں میاں طفیل محمد' جناب نعیم صدیقی' اور چودھری نذیر احمد کی تحریروں سے جماعت کے موجودہ خلفشار کی جو تصویر سامنے آتی ہے اور جماعت کے قدیم ترین "السابقون الاولون" کے "بقیۃ الزمان" اور مولانا مودودی مرحوم کے قریب ترین ساتھیوں کا جو حال نظر آتا ہے کہ وہ ع "میری دنیا لٹ رہی تھی اور میں خاموش تھا!" سے گزر کر "دشنام' نالہ' ہاؤ ہو' فریاد کچھ تو ہو۔ چٹخے ہے درد اے دلِ برباد کچھ تو ہو" کی روش اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں' یہ سب ایک "قبضہ گروپ" کی کارستانیوں کا مظہر ہے جو جماعت کی قیادت پر قابض ہوگیا ہے۔"

اسی آخری پیراگراف میں مزید یہ جملہ بھی شامل تھا جو پچھلی قسط میں مذکور نہیں تھا:

"اور اس گروپ کا آغاز اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کی ۵۳-۵۲ء کی "قیادت" کی صورت میں ہوا تھا!"

اس سے آگے کا حصہ پیشِ خدمت ہے ----(ادارہ)

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۵۳ء کے اوائل میں جب میں جمعیت کا ناظم اعلیٰ تھا میں جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے ایک اجلاس کے موقع پر اپنے لاہور جمعیت کے چند ساتھیوں کی معیت میں جماعت کے مرکز واقع ۵۔اے' ذیلدار پارک' اچھرہ میں جماعت کے اکابر سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تھا تو اس موقع پر چوہدری غلام محمد مرحوم (امیر جماعت اسلامی حلقۂ سندھ) اور شیخ سلطان احمد صاحب نے مجھ سے یہ شکایت کی تھی کہ "کراچی کی جمعیت کے قائدین ہم سے تو دُور دُور رہتے ہیں لیکن مولانا ظفر احمد انصاری (جو اب فوت ہو چکے ہیں' اللہ ان کی مغفرت فرمائے!) سے بہت گھلے ملے رہتے ہیں اور ساری رہنمائی اور مشورے ان ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ مزید برآں ان پر اخوان کے بعض قائدین بالخصوص ڈاکٹر سعید رمضان صاحب کا رنگ بہت چڑھتا جا رہا ہے!"

اس سے قبل میں اور جمعیت لاہور کے بعض دوسرے ساتھی خود بھی یہ محسوس کر چکے تھے کہ ایک تو کراچی جمعیت کے بعض نمایاں رفقاء محبّت اور اخوّت کے جذبات کے اظہار میں اس حد تک مبالغہ کرتے ہیں کہ "تصنّع" تک کی بو آنے لگتی ہے' اور دوسرے وہ آپس میں ایک مضبوط گروپ یا جتھے کے مانند مربوط اور منظّم ہیں' اور اپنے پہلے سے طے شدہ فیصلوں اور منصوبوں کو کھسر پھسر اور سرگوشیوں کے ذریعے منوا لینے کے فن میں ماہر اور مشّاق ہیں' لیکن ہم نے اسے اُس وقت تک صرف پنجاب اور کراچی کی "آب وہوا" اور پنجابی اور "ہندوستانی" مزاج کے فرق وتفاوت پر محمول کیا تھا ——— متذکرہ بالا دو بزرگوں کی شکایت سے اندازہ ہوا کہ ہمارے اس مشاہدے کا جزوِ اول ان حضرات کے عرب رہنماؤں سے میل جول کا مظہر ہے' اس لئے کہ ملاقات کے موقع پر غیر معمولی گرم جوشی کا اظہار عربوں کا خصوصی وصف ہے' اور جزوِ ثانی مولانا ظفر احمد انصاری کی بالواسطہ "قیادت" کا۔ اس لئے کہ مولانا انصاری خیالات ونظریات کے اعتبار سے خالص ومخلص' اور کٹر مسلم لیگی' مزاج کے اعتبار سے صد فی صد "عملی" اور خالص سیاسی' اور گفتگو اور

مذاکرات کے فن کے بے پناہ ماہر تھے! (یہی وجہ ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے انہیں "مذاکرات کا بادشاہ" قرار دیا تھا!) لہٰذا انہوں نے کراچی جمعیت کو مولانا مودودی مرحوم کی خالص اصولی اور نظریاتی نہج سے ہٹا کر "عملی سیاست" کے رخ پر ڈال دیا۔ اور اسی کا مظہر جمعیت کراچی اور بالخصوص اس کے آرگن "اسٹوڈنٹس وائس" (STUDENTS' VOICE) کا طلبہ کے مسائل اور ان کے "حقوق" کی علمبرداری کا خالص سیاسی رول تھا جس کا ذکر میری اس سے قبل کی تحریر میں آچکا ہے —— اور جس کے بارے میں میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اس سے مولانا مودودی مرحوم بھی سخت نالاں اور پریشان تھے!

کراچی جمعیت کی اصل قیادت اُس وقت تین اشخاص پر مشتمل تھی۔ اس کے سرخیل اور ماسٹر مائنڈ خورشید احمد صاحب تھے، (جو اب سینیٹر پروفیسر خورشید احمد ہیں!)۔ مذہبی درس و تدریس اور جذباتی تقریر کی اہلیت کے حامل ہونے کے اعتبار سے اس گروپ کے عمومی "ترجمان" (SPOKESMAN) کی حیثیت جناب خرم جاہ مراد کو حاصل تھی، (جن سے میری عزیزداری بھی ہے!) —— یہ دونوں حضرات اِس وقت جماعت اسلامی کے "نائب امراء" میں شامل اور بظاہر موجودہ امیرِ جماعت قاضی حسین احمد صاحب کے دست وبازو، لیکن اصلاً ان کے مشیر، مربّی، اور سرپرست ہیں —— کراچی جمعیت کی اُس وقت کی قیادت کی "تثلیث" کی "اقنومِ ثالث" یا تیسری شخصیت مولانا ظفر احمد انصاری (مرحوم) کے پسرِ اکبر ظفر اسحٰق صاحب تھے (موجودہ ڈاکٹر ظفر اسحٰق انصاری، ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد) جو ایک جانب فطری طور پر مولانا ظفر احمد انصاری اور اس گروپ کے مابین واسطہ کے فرائض باحسن وجوہ سرانجام دیتے تھے اور دوسری جانب "اَلوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیہ" کے مصداق "سرگوشیوں" میں طاق و مشّاق ہونے کے اعتبار سے اس تثلیث میں "روح القدس" کی سی حیثیت رکھتے تھے!

جمعیت کے ۵۳ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اس گروپ نے جمعیت کے مرکز

کو لاہور سے کراچی منتقل کرانے اور خورشید صاحب کو ناظم اعلیٰ منتخب کرانے میں اپنی فنی مہارت کا جو مظاہرہ کیا اس کے سامنے میں اور رفقاء جمعیت لاہور بالکل اسی طرح بے بس ہو گئے تھے جس طرح آج میاں طفیل محمد اور جناب نعیم صدیقی قاضی حسین احمد صاحب کی "انتخابی مہم" کے سامنے بے بس ہو گئے ہیں۔ اور خود مجھے یہ تلخ حقیقت اس طرح برملا بیان کرنے کی ہمت اس لئے ہو گئی ہے کہ اب جماعت کے یہ اکابر اس کا اعلان بہانگِ دہل کر رہے ہیں کہ جماعت اسلامی میں جماعتی عہدیداروں کے انتخابات تک میں "دھاندلیاں" ہوتی ہیں، اور "کاروانِ دعوت" دراصل قاضی حسین احمد صاحب کی کنوینگ کے قافلے کی حیثیت سے "جادہ پیما" ہونے والا ہے!

۵۳ء میں کراچی کی متذکرہ بالا تثلیث سے بھرپور تعاون "شمال" سے صرف ایک شخص نے کیا تھا یعنی سید مراد علی شاہ صاحب نے جو اگرچہ زیر تعلیم تو لاہور میں تھے لیکن تعلق سرحد سے رکھتے تھے (واضح رہے کہ یہ بھی سینیٹر بننے سے بال بال ہی بچے ہیں!) اور بعد میں جماعت اسلامی سرحد کے "رہنماؤں" میں شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ قاضی حسین احمد صاحب کا ان سے تعلق بالکل اسی نوعیت کا ہے جو کراچی کے سید منور حسن صاحب کا سینیٹر پروفیسر خورشید احمد سے!

اپنی ۸۲ء کی تحریر میں مَیں نے ۵۳ء کو پاکستان کی تحریکِ اسلامی کا "عام الحُزن" قرار دیا تھا۔ یہ بات مجموعی طور پر تو درست تھی ہی، ذاتی طور پر میرے لئے "درست تر" تھی۔ میں اس "اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان" کو جس کے لئے میں نے اپنے کیریئر کو داؤ پر لگا دیا تھا اور اپنی زندگی کے پورے پانچ سال نہایت تندہی کے ساتھ صَرف کئے تھے اپنی نگاہوں کے سامنے نظریاتی اور انقلابی راہ سے ہٹ کر خالص سیاسی ذہن رکھنے والے لوگوں کے "قبضے" میں جاتا دیکھ رہا تھا اور لاہور میں رہتے ہوئے بحیثیتِ ناظمِ اعلیٰ وسائل کی کمی کے باعث دُور دراز کی تنظیم یعنی ـــــ جمعیت کراچی پر اثرانداز ہونے اور نئے رجحانات کو روکنے سے قاصر تھا۔ اور اگرچہ لاہور اور پنجاب

میں مَیں نے کراچی کی آئی سی بی کو شکست فاش دیدی تھی لیکن کراچی میں جمعیت کے "قبضہ گروپ" کی فنی مہارت سے مات کھا گیا تھا۔ چنانچہ اسی بددلی کے باعث جمعیت کی رکنیت سے فوری طور پر تو مستعفی ہوگیا تھا' تاہم کچھ ہی دنوں بعد میں نے کچھ بعض احباب کے سمجھانے سے' اور اصلاً اپنے اس احساس کی بنا پر کہ اقامتِ دین کی جدّوجُہد فرضِ عین ہے' اور اس کے لئے جماعت کا التزام شرطِ لازم ہے' استعفاء واپس لے لیا تھا' اگرچہ تعلیمی سال ۵۴۔۵۳ء کے دوران میں نے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ اور اکثروبیشتر تو صرف ایک عام کارکن کی حیثیت سے کام کیا۔ البتہ ۵۴ء کی تعطیلاتِ موسمِ گرما کے دوران ملتان میں منعقدہ ایک تربیت گاہ میں' جو غالباً پندرہ دن جاری رہی تھی' میں نے مولانا امین احسن اصلاحی سے ۵۱ء اور ۵۲ء کی تربیت گاہوں میں حاصل شدہ قرآن کے دروس اور تزکیۂ نفس کے لیکچرز کو جس طرح "بیان" اور صحیح تر الفاظ میں "REPRODUCE" کیا اس کی ایک لذّت کا احساس خود مجھے بھی آج تک ہے اور اس کی ایک شہادت جناب نصراللہ شیخ صاحب نے' جو اُن دنوں جمعیت ملتان کی روحِ رواں تھے' خود مولانا اصلاحی کے سامنے ایک موقع پر ان الفاظ میں دی کہ "مولانا! آپ کے اپنے درس بھی ہم نے بہت بار سنے' اور تزکیۂ نفس پر اب آپ کی کتاب بھی طبع ہو گئی ہے' لیکن آپ کی یہ چیزیں جس طور سے اُس تربیت گاہ میں ہمیں ڈاکٹر اسرار نے پڑھائی تھیں اس جیسی نہ لذّت پھر کبھی حاصل ہوئی نہ UNDERSTANDING!"

قِصّہ مختصر' ۵۴ء کے دوران مولانا مودودی جیل میں تھے۔ اور میری کیفیت جمعیت کے حالات کے مشاہدات کی بنا پر بالکل وہی تھی جو اب سے ایک سال قبل نعیم صدیقی صاحب کی نظم "بنامِ دلبر" میں سامنے آتی ہے'۔۔۔۔۔ البتہ اس پورے سال کے دوران چونکہ میں جمعیت میں زیادہ فعّال نہیں رہا' لہٰذا غوروفکر کے لئے وافر وقت ملتا رہا۔۔۔۔۔ اور میں کم از کم ذاتی اعتبار سے تو اس نتیجے تک پہنچ گیا کہ مولانا مودودی نے ۴۸ء میں ماہنامہ "ترجمان القرآن" میں (اتفاق سے وہ بھی ستمبر ہی

کا شمارہ تھا!) پاکستان میں نظامِ اسلامی کے قیام کے جو دو ممکن طریقے بیان کئے تھے، ان میں سے جس طریقے پر ۴۷ء تا ۵۳ء عمل کیا ہے اس کا غیر مفید ہونا واضح ہو چکا ہے، اور اب دوبارہ اسی دوسرے طریقے پر عمل شروع کر دینا چاہئے جس پر جماعت قیامِ پاکستان سے قبل عمل پیرا تھی، لیکن یہ بس ایک "رائے" تھی جس پر کوئی عزم بالجزم مجھے اُس وقت تک حاصل نہیں ہوا تھا اور اپنی جگہ اس کا پوری طرح قائل ہونے کے باوجود میرا ذہن اس کے غلط ہونے کے امکان کو تسلیم کرنے کے لئے بھی پوری طرح آمادہ تھا!

بہرحال نومبر ۵۴ء میں ایم بی بی ایس کے فائنل امتحان سے فارغ ہو کر میں منٹگمری (حال ساہیوال) منتقل ہو گیا، اور ایک ہی تاریخ میں جمعیت طلبہ سے آخری رخصتی استعفاء اور جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست تحریر کر دی۔ اُن دنوں مولانا مودودی ملتان جیل میں نظربند تھے، اور یہ بھی نومبر ۵۴ء ہی کا واقعہ ہے کہ منٹگمری سے ایک وفد ان سے ملاقات کے لئے وہاں گیا تو میں بھی اس میں شریک تھا۔ جب ملاقات کا معین وقت ختم ہونے کے قریب ہوا تو میں نے چند منٹ کے تخلیئے کی اجازت طلب کی، اور باقی حضرات کے رخصت ہو جانے پر تنہائی میں مولانا سے سوال کیا کہ: "کیا آپ کے خیال میں ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم موجودہ طریق کار کو ترک کر کے دوبارہ قبل از تقسیم ہی کے طریق کو اختیار کر لیں!" اس پر مولانا کا مختصر جواب تھا: "میں ابھی اِس راستے کے لئے دروازے بند نہیں پا رہا!" ظاہر ہے کہ اس پر زیادہ بحث و تمحیص کے لئے نہ تو وقت ہی دستیاب تھا، نہ میری حیثیت ہی ایسی تھی کہ مولانا سے لمبی بحث کر سکتا، نہ ہی ابھی خود میں اس رائے پر پوری طرح جازم ہوا تھا۔

لیکن ۵۵ء اور ۵۶ء کے دوران جب میں نے نہ صرف امیرِ جماعت اسلامی منٹگمری کی حیثیت سے زور شور کے ساتھ کام کیا، بلکہ حلقہ اوکاڑہ کی مجلسِ شوریٰ کے رکن، اور ایک عوامی مدرّسِ قرآن کی حیثیت سے میرا پورے حلقے میں آنا جانا ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ جماعت کے کارکنوں اور عہدیداروں کا اخلاقی معیار کم از کم اُس

تصویر کے مقابلے میں بہت نیچے گر چکا ہے جو اس کے لٹریچر میں سامنے آتی ہے، اور اس طرح آٹھ نو سال کی سیاسی سرگرمی نے نہ صرف یہ کہ جماعت کی اصولی، انقلابی حیثیت کو تبدیل کر کے رکھ دیا ہے بلکہ ارکان اور کارکنوں کے اخلاقی معیار کو متاثر کر کے اس کی معنوی قوت اور اخلاقی ساکھ کو بھی شدید نقصان پہنچایا ہے۔ چنانچہ اب مجھے اپنی اس رائے پر زیادہ انشراح حاصل ہوگیا کہ ہمیں فی الفور قبل از قیامِ پاکستان کی پالیسی کی جانب رجوع کر لینا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ نومبر ۵۵ء میں جماعت کا جو سالانہ اجتماع کراچی میں منعقد ہوا اس میں مَیں نے جماعت کی پالیسی کے ضمن میں اظہارِ خیال کے لئے نوٹس ارسال کر دیا تھا۔

نومبر ۵۵ء کے سالانہ اجتماع سے لے کر فروری ۵۷ء کے اجتماعِ ارکان منعقدہ ماچھی گوٹھ تک کی تلخ داستان میں اپنی تالیف "تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب" میں تحریر کر چکا ہوں، اور جماعت کی پالیسی کے بارے میں میری مفصّل رائے بھی، جو میں نے ایک بیان کی صورت میں نومبر ۵۶ء میں جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کی تھی، ۶۶ء میں "تحریکِ جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے طبع ہو گئی تھی، لہٰذا "میرے مولانا مودودی مرحوم کے ساتھ ذاتی ربط و تعلق" کی اِس داستان میں متذکرہ بالا خاکے کی شق نمبر ۳ کے ضمن میں مزید کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ۶۲ء کے حج کے موقع پر جو ملاقاتیں مولانا سے رہیں ان کی قدرے تفصیل بیان کر دی جائے!

مکہ مکرمہ میں مولانا فندق مصر میں مقیم تھے۔ اور میں کئی بار اُن سے ملنے وہاں گیا تو یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور اپنی اُس وقت کی ذہنی و قلبی کیفیت کے اعتبار سے کسی قدر افسوس بھی ہوا کہ ہوٹل کے لاؤنج میں مولانا تو اکثر و بیشتر تنہا بیٹھے ہوتے تھے لیکن مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدّظلّہٗ کے گرد ہر وقت ملاقاتیوں کا جمگھٹا رہتا تھا، جن میں اکثریت عربوں کی ہوتی تھی۔ اور اکثر یہ الفاظ سننے میں آتے رہتے تھے: **"اَین الاستاذ النّدوی؟"** جس سے اندازہ ہوا کہ اہلِ عرب اُس وقت تک مولانا سے

زیادہ واقف نہیں تھے!

اسی سال "رابطۂ عالمِ اسلامی" کا تاسیسی اجلاس منعقد ہوا تھا اور پاکستان سے مولانا مودودی اور مولانا داؤد غزنوی اسی میں شرکت کے لئے وہاں بلائے گئے تھے۔ مولانا داؤد غزنوی کا مجھ پر یہ کرم ہوا کہ انہوں نے مجھے اپنا "سکرٹری" قرار دیدیا اور اس طرح میں بھی اُن مجالس میں باضابطہ شریک رہا۔ اُن دنوں کی چند باتیں جو حافظے میں محفوظ ہو گئیں عمومی دلچسپی کے پیش نظر درج ذیل ہیں:

۱۔ افتتاحی اجلاس میں پہلا خیر مقدمی خطاب مفتیٔ اعظم سعودی عرب ابراہیم بن محمد کا تھا جو "آلِ شیخ" یعنی شیخ عبدالوہاب نجدیؒ کی اولاد میں سے تھے، اور نابینا تھے۔ ان کا خطاب رسمی بھی تھا اور مختصر بھی۔ تاہم اس کے اختتام پر حاضرین نے تالیاں بجائیں تو انہوں نے سختی سے ڈانٹ پلائی کہ یہ مبتدعانہ بلکہ فاسقانہ عمل ہے! (واضح رہے کہ یہ سعودی عرب کے "خاتم المفتیین" تھے، اس لئے کہ ان کی وفات کے بعد یہ عہدہ ہی ختم کر دیا گیا۔ اور اس طرح آلِ سعود اور آلِ شیخ کے مابین دنیوی حکومت اور مذہبی سربراہی کی جو تقسیم چلی آرہی تھی وہ ختم ہو گئی)

۲۔ اس اجلاس کے باضابطہ "کنوینر" تو مولانا علی میاں مدظلہٗ تھے، لیکن عملاً اسے Conduct ڈاکٹر سعید رمضان صاحب کر رہے تھے۔ اس پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ استاذ سعید رمضان یہاں کس حیثیت میں ہیں؟ تو ڈاکٹر صاحب کا رنگ تو زرد پڑ گیا لیکن مولانا علی میاں نے یہ کہہ کر صورت حال کو خراب ہونے سے بچا لیا کہ "یہ ذمہ داری میں نے ان کے سپرد کی ہے!" (واضح رہے کہ "رابطۂ عالمِ اسلامی" کی بنیاد اصلاً مصر کے صدر ناصر کے "بُغض" پر رکھی گئی تھی، اور اعتراض کرنے والے غالباً مصری مندوب تھے!)

۳۔ مختلف ممالک سے آئے ہوئے مندوبین اپنے ذاتی تعارف کے ساتھ ساتھ کچھ جذبات و احساسات کا اظہار بھی کر رہے تھے۔ اِس ضمن میں شام کے مندوب کا یہ جملہ بہت دلچسپ تھا کہ: "جب مجھے دعوت نامہ ملا تو میں اس شش و پنج

میں مبتلا ہو گیا کہ آؤں یا نہ آؤں۔ اس لئے کہ اس قسم کے اجلاس منعقد ہوتے رہتے ہیں اور ان سے حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لیکن بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ جانا نہ جانا برابر ہے۔ لہٰذا میں حاضر ہوگیا!" (اُن کا اشارہ اِس طرف تھا کہ کسی اور خیر کی توقع تو اس اجلاس سے نہیں ہے، تاہم مفت کا سرکاری حج جو اس اجلاس کے "بونس" کے طور مل گیا غنیمت ہے۔ گویا "گندم اگر بہم نہ شود بھُس غنیمت است!")

۴۔ اس موقع پر ایک اجتماع "قصر الملِک" میں بھی ہوا جس سے اُس وقت کے بادشاہ اور سعودی مملکت کے بانی ملک عبدالعزیز ابن سعود کے فرزندِ اکبر سعود بن عبدالعزیز نے خطاب کیا۔ جس میں انہوں نے صدر ناصر کا نام لئے بغیر اہلِ مصر کو خوب کوسا۔ ان کے خطاب کا یہ ایک جملہ مجھے ابتک یاد ہے **"هُم اَعداءُ اللّٰہ واَعداءُ الرّسول و اَعداءُ الدّین و نحن فداءُ الإسلام بأرواحنا و أجسادنا!"** یعنی وہ تو اللہ، رسولؐ اور دین کے دشمن ہیں جبکہ ہم دل وجان سے اسلام کے فدائی ہیں!" ـــــــ نفسِ مضمون سے قطع نظر ان کا یہ خطاب بڑا فصیح و بلیغ، شاہی دبدبہ وجلال کا مظہر، اور عربی مقولے **"کلامُ الملوکِ ملوکُ الکلام"** کا بہترین نمونہ تھا! ـــــــ خطاب کے اختتام پر بادشاہ سلامت کھڑے ہوگئے اور جملہ مندوبین ایک قطار کی صورت میں حرکت کرتے ہوئے ان کے سامنے آکر ان سے ہاتھ ملاتے رہے۔ اتفاقاً مولانا داؤد غزنوی اور میں ذرا آگے تھے لہٰذا ہمیں تو ملک سعود سے مصافحہ کا "شرف" حاصل ہوگیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ مولانا مودودی اور جناب خلیل حامدی ابھی کسی قدر فاصلے ہی پر تھے کہ بادشاہ سلامت غالباً تھک گئے۔ چنانچہ انہوں نے ہاتھ بلند کر دیا ـــــ جس سے یہ سلسلہ فوراً بند ہوگیا۔

مولانا سے میری ایک انتہائی یادگار ملاقات ۸رذی الحجہ کی شام کو منیٰ میں ہوئی۔ مولانا سرکاری مہمان ہونے کے ناتے ایک کشادہ اور عمدہ خیمے میں مقیم تھے جس کے ساتھ کچھ کھلی جگہ بھی تھی اور پھر قناتوں کا گھیرا تھا۔ اور مجھے یاد ہے کہ مولانا خیمے

کے باہر ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ اور ظاہر ہے کہ احرام میں تھے! (چنانچہ مولانا کی وہ احرام والی تصویر میرے نہاں خانۂ ذہن میں تاحال محفوظ ہے۔) بہرحال اصل قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مولانا اُس وقت سخت صدمے بلکہ پیچ و تاب کی سی کیفیت میں مبتلا تھے۔ اس کیفیت کے دو اسباب اسی وقت معلوم ہو گئے تھے: ایک یہ کہ پاکستان سے اسی روز اطلاع آئی تھی کہ جو بلدیاتی یا بنیادی جمہوریت کا انتخاب ہوا تھا اس میں جماعت بری طرح ناکام ہو گئی تھی۔ اور دوسرا یہ کہ مولانا نے مدینہ یونیورسٹی کے لئے جو خاکہ بڑی محنت سے تیار کیا تھا اسے نجدی علماء کی شدید مخالفت کے باعث کلّیۃً رد کر دیا گیا تھا۔ پہلی بات کے ضمن میں میرے دل میں یہ فوری خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہی ملتان جیل والا سوال آٹھ سال بعد پھر دوبارہ مولانا سے کروں، لیکن مولانا کی اُس وقت کی کیفیت مجھے اس کے لئے موزوں محسوس نہ ہوئی!

البتہ مدینہ منوّرہ میں مولانا کی خدمت میں متعدّد بار کی حاضری کے بعد ایک دن مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے براہ راست سوال کر ہی لیا کہ: "مولانا کیا اب بھی آپ اس بات کے قائل نہیں ہوئے کہ ہماری بعد از تقسیم کی پالیسی غلط تھی!" لیکن اس بار اس کا جو جواب مجھے ملا اس میں کسی قدر تلخی اور درشتی کا عنصر بھی شامل تھا ---- یعنی: "یہی سوال میں آپ لوگوں سے کرتا ہوں کہ کیا اب بھی آپ لوگوں پر اپنی غلطی واضح نہیں ہوئی!" ---- چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ میرے دل میں امید کی جو کرن اس وقت تک روشن رہی تھی کہ جیسے جیسے اس طریق کار کے نتائج سامنے آئیں گے ان شاء اللہ مولانا خود اپنی رائے سے رجوع کر کے انتخابی سیاست سے واپسی کا راستہ اختیار کر لیں گے وہ اس روز بالکل بجھ کر رہ گئی!

۶۲ء سے ۷۰ء تک کے عرصے کے بارے میں جو چند سطریں میری ۸۲ء والی تحریر میں شق نمبر ۴ کے ذیل میں درج ہیں ان پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صاف اعتراف ہے کہ اس عرصے کے دوران میرے اور مولانا کے مابین بُعد و فصل، اور مغائرت و اجنبیت ہی نہیں نفرت اور کدورت کے پردے بھی حائل رہے اور

اس کیفیت میں میری ذاتی تلخی کے ساتھ ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی کی "سرپرستی" کا عنصر بھی شامل رہا جس نے اس میں اضافی شدّت پیدا کردی!

یہ کیفیت فروری ۷۱ء میں جسطرح دفعۃً اور یکسر تبدیل ہوئی اس کا ذکر بھی متذکرہ بالا تحریر میں شق نمبر۵ کے ذیل میں اجمالاً لیکن اس سے قبل تفصیلاً موجود ہے۔ میرا یہ ردِّ عمل تو مولانا کی اس تقریر پر تھا جو مولانا نے دسمبر ۷۰ء میں اچھرہ کے ایک اجتماع میں الیکشن میں جماعت اسلامی کی ذلت آمیز شکست پر ہونے والے تبصروں کے جواب میں جماعت کے مخصوص مزاج اور بالخصوص اس کے تنظیمی ڈھانچے کے "دفاع" میں کی تھی۔ افسوس کہ یہ حقائق میرے علم میں بہت بعد میں آئے کہ اس موقع پر مولانا اس حتمی نتیجے تک بھی پہنچ گئے تھے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے الیکشن کا طریقہ بالکل ناکام ہو چکا ہے اور ہمیں اپنے سابق طریق کار ہی کی طرف رجوع کر لینا چاہئے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ جماعت اسلامی کی اُس وقت کی قیادت کی صفِ دوم نے مولانا کی اس رائے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جس پر مولانا کو صدمہ اور افسوس تو بہت ہوا بلکہ مولانا وصی مظہر ندوی کی روایت کے مطابق غصہ بھی آیا لیکن جماعت کی امارت اور اپنی ضعیف العمری اور خرابیٔ صحت کے پیش نظر یہ سکت اب مولانا میں نہیں رہی تھی کہ دوبارہ خود سٹیئرنگ سنبھال کر تحریک کی گاڑی کی "سوّاقی" کے فرائض سرانجام دیتے! بہرحال **ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن!**"

اس دوران میں "دل را بہ دل رہیست!" کے مصداق ظاہر ہے کہ جس تلخی کا مظاہرہ میری جانب سے آٹھ سال تک مسلسل ہوتا رہا تھا اس کا ردِّ عمل مولانا کی طبیعت میں لازماً پیدا ہوا ہو گا۔ اگرچہ میرے علم میں نہیں ہے کہ مولانا نے کبھی کوئی تلخ بات میرے بارے میں کہی ہو' —— لیکن جب خود میری قلبی کیفیت بدل گئی تو اس کا یہ ردِّ عمل میرے علم میں ۱۹۷۶ء میں آیا کہ جب میں اواخرِ ماہ دسمبر میں مع اہلِ خانہ لگ بھگ دس روز کراچی میں مقیم رہا اور انہی ایام میں ایک روز جناب

عبدالرحیم صاحب نے جو اُس زمانے میں کراچی پورٹ ٹرسٹ میں ڈپٹی چیف مکینیکل انجینئر کے عہدے پر فائز تھے ہمیں ایک فیملی پکنک کے سلسلے میں سمندر کی سیر کرائی تو اس موقع پر انہوں نے بتایا کہ "انہی دنوں ایک ضیافتِ طعام میں جہاں مولانا مودودی بھی موجود تھے' اور میں بھی' آپ کا (یعنی راقم الحروف کا) ذکر آنے پر مولانا نے یہ فرمایا کہ: مجھے اس کے بارے میں اس بات کا پورا اطمینان ہے کہ وہ جہاں بھی ہوگا دین کا کام کرتا رہے گا!" اس پر ایک بار تو مولانا سے ملاقات کی خواہش کی چنگاری بہت زور سے بھڑکی' لیکن بعد میں اُن اسباب کے باعث جن کا ذکر ۸۸ء کی تحریر میں موجود ہے' زندہ مودودی سے تو ملاقات کی نوبت نہ آسکی' یہ بھی اللہ کا خصوصی فضل و احسان ہی تھا کہ ان کے جسدِ خاکی کی زیارت اور نمازِ جنازہ میں شرکت ہی نہیں اس کی امامت کی سعادت بھی حاصل ہوگئی! جس کی تفصیلات میری ۸۲ء کی تحریر میں موجود ہیں!

بہر حال جماعت اسلامی کے داعی' مؤسّس اور "فطری امیر" مولانا مودودی کو تو "تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ" کے زمرے میں شامل ہوئے تیرہ برس بیت چکے ہیں۔ اور جس طرح دار العلوم دیو بند اپنا "جشنِ صد سالہ" دھوم دھام کے ساتھ منانے کے فوراً بعد شکست وریخت سے دوچار ہوگیا تھا' اسی طرح جماعت اسلامی بھی گذشتہ سال اپنا "پچاس سالہ جشن" شان و شوکت کے ساتھ منانے کے بعد داخلی انتشار اور خلفشار کے شدید بحران سے دو چار ہوچکی ہے اور اس فیصلہ کُن دوراہے پر آکھڑی ہوئی ہے کہ ——— یا اپنی اِس اصل غلطی کا ادراک اور اعتراف کرے جو ۴۸-۱۹۴۷ء میں پوری نیک نیتی کے ساتھ لیکن "عجلت پسندی" کے باعث ہوگئی تھی' اور اپنے اصل "اصولی" اور "انقلابی" طریق کار کی جانب مراجعت اختیار کرے یا میاں طفیل محمد اور جناب نعیم صدیقی ایسے "اگلے وقتوں" کے لوگوں کے احتجاج اور نالہ و فریاد کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بچی کھچی اصول پسندی' سنجیدگی' متانت' شرافت اور قانون و دستور کی پابندی کے "دقیانوسی" لبادے کو بالکل اتار پھینکے اور

انتخابی سیاست کا راستہ ہی اختیار کرنا ہے تو جملہ "سکّہ ہائے رائج الوقت" کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے ۔" نصف بہتر حیات کر گذر جو آئے بن!" کا راستہ اختیار کرلے۔

اس ضمن میں ملک بھر کے صحافی اور تجزیہ نگار تو یہی کہہ رہے ہیں کہ پلڑا دوسرا ہی بھاری ہے اور نتیجہ موخر الذکر ہی برآمد ہوگا ـــــ لیکن اگر واقعۃً ایسا ہوگیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جماعت اسلامی کی "پہلوٹھی کی بیٹی" (یعنی اس کی اولین ذیلی تنظیم) اسلامی جمعیت طلبہ کے "قبضہ گروپ" نے جو جدید قیادت جماعت کو مہیّا کی تھی وہ اپنی کوکھ سے ایک بالکل مختلف ہی نہیں متضاد مزاج اور طرز کی تنظیم یعنی "پاسبان" کو جنم دے کر اپنی "مادر تنظیم" یعنی "جماعت اسلامی" کے اس تنظیمی ڈھانچے کا گلا گھونٹ دے گی جس کا "دفاع" جماعت کے داعی و بانی' اور قائد وامیر مولانا مودودی مرحوم نے ۷۰ء تک تو پورے عزم بالجزم کے ساتھ کیا تھا ـــــ اس کے بعد یہ "پاسبان تنظیم" کیا رخ اختیار کرے اور ملک و ملت کو کیا نفع یا نقصان پہنچائے' اور خود کس انجام سے دوچار ہو یہ علیحدہ معاملہ ہے ـــــ اس لئے کہ حالات کے تیور یہی بتا رہے ہیں کہ جماعت کی موجودہ نوجوان قیادت بھی انتخابی سیاست کے نتائج سے تو مایوس اور بد دل ہو چکی ہے' لہٰذا یہ نوزائیدہ تنظیم لا محالہ کسی "تصادم" کی راہ اختیار کرے گی ۔ اور غیر تربیت یافتہ نوجوانوں کے اس راہ پر پڑنے سے خیر اور صلاح کی امید کم اور شر اور فساد کا اندیشہ زیادہ ہے۔ واللہ اعلم!

لیکن اصل فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی قدرت و قوت فیصلہ کُن ہے' لہٰذا کیا عجب کہ "لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا" اور "لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ" کی قرآنی نصوص کے مطابق اس اصل تحریک اسلامی کے بچے کھچے "باقیات الصالحات" جو ۴۱-۱۹۴۰ء میں شروع ہوئی تھی اسے اس آخری اور فیصلہ کُن تباہی سے بچانے کے لئے کمر کس لیں اور ع "درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا!" کے مصداق ان کی مساعی بار آور ہو ہی جائیں۔

لیکن اس سلسلے میں اصل ذمہ داری پرانے اور بزرگ حضرات کی ہے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کریں کہ آج وہ جن چیزوں سے سخت توحش اور بیزاری محسوس کر رہے ہیں وہ اس بنیادی غلطی کے لازمی اور منطقی نتائج اور عواقب کی حیثیت رکھتی ہیں جو ۴۸-۱۹۴۷ء میں سرزد ہوئی تھی اور اس کے برملا اعتراف کے بغیر صورت حال میں کسی بہتری کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اور یہ وہ "سجدۂ سہو" ہے جو۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

کے مصداق اس تحریک کو ان تمام خرابیوں کی دلدل سے نکال سکتا ہے جس میں احیاءِ اسلام اور اقامتِ دین کی یہ عظیم تحریک پھنس گئی ہے۔ **وما علینا الا البلاغ!**

ضمیمہ

میاں طفیل محمد صاحب اور نعیم صدیقی صاحب کے نام خطوط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

محترمی و مکرمی میاں طفیل محمد صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

یہ عریضہ بہت ہچکچاہٹ اور پس و پیش کے بعد لکھ رہا ہوں۔ اس ہچکچاہٹ کا سبب بعد میں عرض کروں گا۔

اواخرِ اگست میں میں ملائشیا کے سفر پر تھا۔ واپسی پر جماعت کے پچاس سالہ یومِ تاسیس کے جشن کے موقع پر آپ کے تلخ لیکن مبنی بر حقیقت ارشادات کا چرچا سننے میں آیا۔

اتفاقاً اواخر ستمبر میں پھر بھارت کا سفر پیش آگیا۔ اور اس بار واپسی پر آپ کا وہ بیان پڑھنے میں آیا جو روزنامہ جنگ کی اشاعت بابت ۲۶ ستمبر میں شائع ہوا ہے، جس میں آپ کے اسی موقف اور جذباتی کیفیت کا اعادہ ہے جس کا اظہار ایک ماہ قبل ہوا تھا۔

میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے اس طرزِ عمل سے کوئی خیر برآمد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو جماعت کے عام کارکنوں کے ذہنوں میں آپ کی شخصیت کا تصور ایک مایوس ' بددل' جذباتی ' شکست خوردہ اور از کارِ رفتہ بوڑھے کا سا بنتا چلا جائے گا۔

اس کے برعکس ابھی اس بات کا موقع ہے کہ آپ اپنی شخصیت کے وزن کو اس عظیم مگر گم کردہ راہ قافلے کو دوبارہ صحیح راستے پر ڈالنے کا فیصلہ کن اور تاریخ ساز کردار ادا کرنے کے لئے بروئے کار لا سکتے ہیں۔

لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس حقیقت کا اعتراف اور اعلان کیا جائے کہ اصل اور بنیادی غلطی وہی تھی جو قیامِ پاکستان کے فوراً بعد پوری نیک نیتی لیکن غلط اندازوں کی بنا پر خود مولانا مودودی مرحوم سے سرزد ہوئی۔ یعنی انتخابات میں حصہ لے کر جماعت کو اقتدار کی کشاکش کے میدان میں داخل کر دینا۔ اور اب جو کچھ سامنے آرہا ہے یہ سب اسی بنیادی غلطی کے برگ و بار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس صورت حال کا کوئی علاج اس کے بغیر ممکن نہیں کہ جماعت ہمت اور جرات سے کام لے کر یہ واضح اور صریح فیصلہ کرلے کہ جماعت کم از کم آئندہ پچیس برس تک انتخابی سیاست اور اقتدار کی کشاکش سے علیحدہ رہ کر اسلام کی انقلابی دعوت کو عام کرنے اور اسلامی انقلاب کے لئے سرفروشوں کی ایک جماعت منظم کرنے پر اپنی جملہ مساعی اور توجہات کو مرکوز کردے گی!

مجھے خوب اندازہ ہے کہ میری یہ بات آپ کو فوری طور پر بہت نامانوس اور ناقابلِ قبول محسوس ہوگی ' لیکن اگر آپ اس معاملے پر ذرا غور کرنے کے لئے بھی آمادہ ہوں تو میں اسے اپنی سعادت سمجھوں گا اگر آپ مجھے اپنی خدمت میں حاضر ہو کر گفتگو کا موقع عنایت فرمائیں ـــــ اور اس سے بھی پہلے مناسب ہوگا کہ آپ میری وہ تالیف دوبارہ نظر سے گزار لیں جس کے بارے میں آپ نے اپنے کسی انٹرویو میں فرمایا تھا کہ " پتہ نہیں ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر کے ذریعے کیا گھول کر پلا دیا تھا کہ سارے مولویوں کے دماغ پھر گئے!" (روایت بالمعنیٰ) ۔ میں نے اپنی پینتیس برس قبل کی اس تحریر میں صرف اس بات کی وضاحت کی تھی کہ جماعت نے آزادی کے بعد جو راستہ اختیار کیا اس کے نتیجے میں یہ " ایک اصولی ' اسلامی انقلابی جماعت" کے بجائے "ایک اسلام پسند

قومی سیاسی جماعت" بن گئی ہے اور اس کا اصل سبب صرف "عجلت پسندی" ہے اور کچھ نہیں!

میں اپنے اس عریضے کے ساتھ تو اپنی وہ تالیف ارسال نہیں کر رہا' لیکن اگر آپ خواہ حاملِ رقعہ ہذا ہی سے کہہ دیں' خواہ بعد میں فون پر حکم دیں (۵/۴/۸۵۶۰۰۳) تو میں نہ صرف وہ کتاب ارسال کردوں گا بلکہ اپنی وہ تالیف بھی پیش خدمت کروں گا جس میں میں نے جماعت کے ۵۶-۵۵ء کے بحرانی دور پر بحث کی ہے۔ اس لئے کہ اس سلسلے میں جو مضامین میں نے "نقضِ غزل" کے عنوان سے ۶۷-۶۶ء میں لکھے تھے ان میں میرا انداز بہت جارحانہ تھا' جبکہ بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سارا ہنگامہ صرف اس لئے ہوا کہ مولانا مرحوم نے اپنے جن تحریکی و تنظیمی تصورات کو ۵۷ء میں کوٹ شیر سنگھ کے اجتماعِ شوریٰ میں وضاحت کے ساتھ پیش کیا' انہیں ابتداء ہی میں کھول کر بیان نہ کردیا تاکہ جمہوری مزاج کے لوگ جماعت میں شامل ہی نہ ہوتے۔

بہرحال مولانا مودودی مرحوم تو اب "تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ" کے زمرہ میں شامل ہوچکے' ان کے قریب ترین اور معتمد ترین ساتھیوں میں سے جماعت کے اندر اب صرف آپ اور نعیم صدیقی صاحب باقی رہ گئے ہیں۔ پچھلے دنوں ان کی بھی بہت سی درد بھری اور کرب آمیز تحریریں منظرِ عام پر آئیں تو میں نے ان کی خدمت میں بھی ایک ایسا ہی عریضہ ارسال کرنے کی جسارت کی تھی جس پر ان کا ردِّ عمل نہایت حوصلہ شکن تھا۔ اسی بنا پر میں آپ سے مخاطب ہونے میں بھی بڑی ہچکچاہٹ محسوس کرتا رہا ـــــ تاہم بالآخر اس خیال سے جرأت کرہی لی ہے کہ اگر میری نیت صاف اور صحیح ہے تو میرا اجر و ثواب محفوظ ہے' اور آپ حضرات کے منفی طرزِ عمل پر صبر کرنے سے اس میں اضافہ ہی ہوگا۔ اگر آپ کی جانب سے کوئی حوصلہ افزا ردِّ عمل ظاہر ہوا تو نعیم صاحب کی خدمت میں جو عریضہ ارسال کیا تھا وہ بھی ارسالِ خدمت کردوں گا۔

میں تو خود اپنے آپ کو بھی اب آخرت کی دہلیز پر کھڑا محسوس کرتا ہوں' اور آپ اور نعیم صاحب تو ظاہر ہے کہ میرے بزرگوں میں سے ہیں' پھر ہر ایک شخص کی اپنے اپنے مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے ذمہ داری بھی کم و بیش ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اس دعا پر اس عریضہ کو ختم کررہا ہوں کہ وہ آپ کو کم از کم اس امر کی

توفیق ضرور دے دے کہ آپ میرے خلوص پر اعتماد کرتے ہوئے میرے اس عریضے کو ایک بار کھلے قلب و ذہن کے ساتھ پڑھ ضرور لیں--- آگے جو اللہ کو منظور!

فقط والسلام مع الاکرام

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

۲ر اکتوبر ۹۱ء

○○○

(۲)

محترمی و مکرمی جناب نعیم صدیقی صاحب، زید لطفکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

گذشتہ ماہِ رمضان مبارک میں نے دورۂ ترجمہ قرآن کے سلسلے میں کراچی میں بسر کیا۔ ان ہی دنوں آپ کی نظم "بنامِ دلبر" پڑھنے میں آئی۔ میں نے فوری تاثر کے تحت آپ کے نام ایک عریضہ تحریر کرنا شروع کیا، لیکن افسوس کہ طبیعت کی ناسازی کے باعث اس کی تکمیل نہ کرسکا۔ ارادہ تھا کہ لاہور واپسی پر اسے مکمل کر کے آپ کی خدمت میں ارسال کرونگا۔ لیکن یہاں واپسی پر دیکھا کہ آپ کی نظم "ندا" میں تند و تلخ تبصرے کے ساتھ شائع ہوگئی ہے۔ یہ بات میرے علم میں اسی تبصرے سے آئی کہ آپ کے اور چھوٹے بھائی اقتدار احمد کے مابین کچھ صحافیانہ نوک جھونک کا سلسلہ پہلے سے جاری تھا۔ بہرحال مجھے اس تبصرے پر افسوس ہوا، اور اس کے لئے نہ صرف اپنی بلکہ برادرم عزیز اقتدار احمد کی جانب سے بھی آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ امید ہے کہ آپ معذرت قبول فرمالیں گے۔ **وَالعذرُ عند کرام النّاسِ مقبول!**---- ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے میرے خط میں تاخیر کرادی کہ آپ بھی کیا محسوس کریں گے کہ "من چہ می گویم و طنبورۂ من چہ می سراید!"

میں اپنا وہ نامکمل خط بھی اس عریضے کے ساتھ منسلک کررہا ہوں، تاکہ آپ کو میرے فوری تأثر کا صحیح اندازہ ہوجائے۔

"کراچی ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء

محترمی و مکرمی جناب نعیم صدیقی صاحب زید لطفکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج گرامی

یہ عریضہ کراچی سے ارسال کر رہا ہوں' جہاں میں انجمن خدام القرآن سندھ کے زیر اہتمام تعمیر ہونے والی قرآن اکیڈمی کی مسجد "جامع القرآن" میں نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کے سلسلے میں مقیم ہوں۔ الحمد للہ کہ پوری رات قرآن کے ساتھ جاگتے گذرتی ہے۔ لہٰذا دن کا کچھ حصہ نیند کا ضروری حق ادا کرنے میں' اور باقی آنے والی شب کے ترجمہ قرآن کی تیاری میں گذر جاتا ہے ---- چنانچہ یومیہ اخبار کی بھی صرف سرخیاں ہی نظر سے گذر سکتی ہیں' رہے رسائل اور جرائد تو ان سے کامل لاتعلقی ہے۔

چار پانچ روز قبل رفیق مکرم قاضی عبدالقادر صاحب نے آپ کی تازہ نظم "بنامِ دلبر" کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ارسال کی' جس کو پڑھ کر آپ کے قلبی احساسات و جذبات اور کرب و الم کی شدت پر اگرچہ آنکھوں میں تو آنسو نہیں آئے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ دل بہت رویا اور اگرچہ آپ نے نظم کے آخری بند میں اصلاح احوال کی امید کا پرزور اظہار کیا ہے' تاہم صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قلب کی گہرائیوں میں یاس کے سائے بہت گمبھیر ہیں!

جب سے آپ کی یہ نظم پڑھنے میں آئی میں مسلسل سوچتا رہا کہ آپ کو خط لکھوں اور آپ سے ملاقات کی اجازت طلب کروں۔ لیکن جیسے ہی دل کی گہرائی سے یہ خیال ابھرتا بہت سے دوسرے "اندیشہ ہائے دور و دراز" بھی سامنے آن کھڑے ہوتے' بالخصوص یہ کہ نمعلوم میرے اس اقدام کو کس جذبے پر محمول کریں اور مجھ سے ملاقات مناسب خیال فرمائیں یا نہیں!---- بہرحال آج دل نے آخری فیصلہ اس کے حق میں دیا کہ " ہرچہ بادا باد!" میں یہ عریضہ ارسالِ خدمت کر ہی دوں!

مجھے جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے ثلث صدی سے زیادہ عرصہ بیت چکا

ہے' لیکن اللہ تو گواہ ہے ہی' مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل بھی گواہی دے گا کہ اس پورے عرصے کے دوران مجھ پر ایک دن بھی ایسا نہیں گذرا کہ میں نے اپنے آپ کو اس تحریک سے علیحدہ سمجھا ہو جسے لے کر آپ کی نظم کے مخاطب یعنی مولانا مودودی مرحوم کھڑے ہوئے تھے۔ اور اس وقت جماعت اسلامی۔

" کونسی وادی میں ہے' کونسی منزل میں ہے
عشق بلاخیز کا قافلۂ سخت جان!"

کے مصداق جن حالات سے دوچار ہے' اس پر اگر آپ کا دل آج خون کے آنسو رو رہا ہے تو یہی کیفیت میری کم و بیش ثلث صدی سے ہے۔ اگرچہ مجھے تسلیم ہے کہ میری اس قلبی و جذباتی کیفیت پر کبھی حسرت آمیز تاسف کا رنگ غالب رہا تو کبھی اس میں غصے اور جھنجلاہٹ کی آمیزش بھی ہوتی رہی!

لیکن اب اصل سوال یہ ہے کہ آپ صرف تحریر پر اکتفا کریں گے یا کوئی عملی قدم اٹھانے کی ہمت بھی کریں گے۔"

اس سے قبل شاید آپ کے علم میں آیا ہو کہ آپ کی وہ تحریر بھی میں نے " میثاق" بابت ماہ مارچ ۹۱ء میں شائع کی تھی جو " ترجمان القرآن" میں جنوری ۹۱ء کے اشارات کے صفحات میں شائع ہوئی تھی۔ اور میرے طرز فکر کا اندازہ آپ کو اس سے ہو گیا ہو گا کہ میں نے اس پر کوئی جلی کٹی سرخی نہیں لگائی تھی بلکہ یہ عنوان قائم کیا تھا۔

"جماعت اسلامی کی موجودہ تنظیمی کیفیت پر جناب نعیم صدیقی کی گرفت جس میں جملہ دینی تنظیموں کے لئے قیمتی رہنمائی موجود ہے"

میری ۳۰ اپریل کی نامکمل تحریر ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی کہ " اب سوال یہ ہے کہ آپ صرف تحریر پر اکتفا کریں گے یا کوئی عملی قدم اٹھانے کی ہمت بھی کریں گے؟"۔۔۔۔ ان الفاظ کو تحریر کرنے کے بعد میرے ذہن میں ایک دو تجویزیں آئی تھیں لیکن الفاظ قرآنی " اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ" کے مطابق کسی پر بھی دل ٹھکا نہیں' لہٰذا قلم رک گیا۔

اب ہمت کر کے ایک تجویز محض "خیال با بلمر" یا "فکر جہری" (Loud Thinking)

کے انداز میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ براہِ کرم اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں۔

کیا آپ کے لئے یہ ممکن ہے کہ آپ جماعت کے موجودہ اور سابقہ وابستگان میں سے جنہیں بھی اس سے حقیقی دلچسپی ہو کہ اس صدی کی چوتھی دہائی کے اواخر میں متحدہ ہندوستان میں جو اسلامی تحریک شروع ہوئی تھی، وہ اب پاکستان میں کس مقام پر ہے؟ اور اگر وہ کسی کج روی کا شکار ہوگئی ہے، یا خود اس میں کوئی کج روی در آئی ہے تو اس کا ازالہ ممکن ہے یا نہیں؟--- اور اگر ہے تو کیسے؟..... ان کے مابین کم از کم تبادلۂ خیالات کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کریں؟؟

اگر آپ کو اس تجویز کے کسی بھی درجہ میں معقول یا مفید ہونے کا احتمال نظر آئے تو پھر یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ میرے نزدیک آپ ہی وہ واحد اور آخری شخص ہیں جو اسے بروئے کار لاسکتا ہے۔ میں نے کچھ عرصہ قبل یہ تجویز اپنے قریبی عزیز اور جمعیت طلبہ کے زمانے کے ساتھی، اور "یکے از موجودہ نائب امرائے جماعت" خرم جاہ مراد صاحب کے سامنے بھی رکھی تھی، لیکن یا تو انہوں نے اس تجویز کو غیر مفید سمجھا، یا اپنے آپ کو اس پر عملدرآمد سے معذور پایا------واللہ اعلم!..... اور اگر آپ بھی اسے مناسب خیال نہ فرمائیں تب بھی کم از کم ذاتی طور پر میں آپ سے اس معاملے میں گفتگو کی شدید خواہش اپنے دل میں پاتا ہوں، صرف اس شرط کے ساتھ کہ آپ کا دل بھی یہ گواہی دے کہ میں جماعت اسلامی کی بعد از قیام پاکستان پالیسی کا شدید ناقد ہونے کے باوجود تحریکِ اسلامی کا مخلص ہوں (بصورتِ دیگر ظاہر ہے کہ ملاقات بے سود اور گفتگو لاحاصل ہوگی!) بہرحال اگر آپ کا دل یہ مطلوبہ گواہی دے تو ع مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس دم!" کے مصداق جب چاہیں طلب فرمالیں، میں حاضری کو اپنے لئے موجب سعادت گردانوں گا"۔ (غالباً آپ کے علم میں ہوگا کہ لگ بھگ دو ڈھائی ماہ قبل میں نے قاضی حسین احمد صاحب کی خدمت میں بھی حاضری دی تھی --- اور اگرچہ اس سے فوری طور پر تو کوئی خیر برآمد نہیں ہوسکا، تاہم مجھے یقین ہے کہ بفحوائے الفاظِ قرآنی "مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ" مجھے اس کا اجر و ثواب بھی ضرور حاصل ہوگا--- اور کیا عجب کہ "وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ"

(الاعراف: ۱۶۴) والی کیفیت بھی پیدا ہو ہی جائے! ---- وما ذلک علی اللہ بعزیز!

میں تو یہ عریضہ دستی ارسال کر رہا ہوں ---- آپ جواب ڈاک کے ذریعہ بھی ارسال فرماسکتے ہیں اور اگر صرف "نوید طلبی" ہی ہو تو فون کا ذریعہ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ میرے دفتر کے نمبر دو ہیں: ۸۵۶۰۰۳ اور گھر کا نمبر ہے ۸۵۶۰۰۵ --- فقط والسلام مع الاکرام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

ماہنامہ میثاق لاہور
کی اشاعتِ خصوصی۔ بابت اکتوبر ۱۹۹۲ء

مضامین کی جھلک

● جماعتِ اسلامی کی تاریخ کا تیسرا اور شدید ترین بحران
● پس منظر ● تجزیہ ● تبصرہ ---- اور ● مشورے
● اسلام اور پاکستان کی موجودہ سیاسی کشمکش
اس میں مذہبی جماعتوں کا کردار اور اس کا متوقع نتیجہ!
● مولانا مودودی مرحوم اور میں

تمام تحریریں ازقلم ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی

● صفحات ۱۲۸ ● اس شمارے کی قیمت ۱۰/- (سالانہ زرتعاون ۵۰/-)

منگوانے کے پتے:
(۱) مرکزِ تنظیمِ اسلامی، ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
(۲) مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

درسِ قرآن

"اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ"
کا مفہوم اور اطاعتِ رسولؐ کے مختلف پہلو

سورۃ التغابن کی آیت ۱۲ کی روشنی میں (۲)

امیرِ تنظیمِ اسلامی کے درسِ قرآن سے ماخوذ

○

"اولی الامر" کی اطاعت

حکم اور اطاعت ہی کے ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے بعد "اولی الامر" کی اطاعت کا معاملہ آتا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ میں فرمایا گیا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ

"اے ایمان والو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور والیانِ امر کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر باہم جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو لوٹا دو اللہ اور رسولؐ کی طرف اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔"

یہ آیت مبارکہ اس اعتبار سے قرآن حکیم کی اہم ترین آیات میں شمار ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر جو دستوری اور قانونی نظام قائم کیا جائے گا اس کے لئے راہنمائی کا یہ گویا سب سے بڑا مخزن اور منبع و سرچشمہ ہے۔ اللہ کی اطاعت اور رسولؐ کی اطاعت کے بارے میں تو ہم گفتگو کر چکے ہیں' یہاں اب اولی الامر کی

اطاعت کے معاملے کو تھوڑا سا تجزیہ کر کے سمجھ لیا جائے۔

اطاعت کی دو لازمی شرائط

۱۔ سب سے پہلی بات یہ کہ یہاں "اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" کے الفاظ آئے ہیں' یعنی اولی الامر جو خود تم (مسلمانوں) میں سے ہوں۔ حاکم اور والیٔ امر اگر غیر مسلم ہو تو وہ ان الفاظ کا مصداق نہیں ہو گا اور ایسے حاکم کی اطاعت اگر طوعِ خاطر سے کی جائے گی تو اس سے اسلام کی نفی ہو جائے گی۔ غیر مسلم حاکم کی اطاعت مجبوراً تو کی جا سکتی ہے' برضاو رغبت نہیں! مثال کے طور پر اگر کسی غیر مسلم حکمران نے مسلمانوں کا کوئی علاقہ بزورِ شمشیر فتح کر لیا ہو یا کسی نے کسی مسلمان کو جبراً گرفتار کر کے غلام بنا لیا ہو' جیسے افریقہ سے ہزاروں مسلمانوں کو جبری طور پر غلام بنا کر لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر امریکہ لے جایا گیا' تو ایسی صورت میں ایک مسلمان ایک غیر مسلم کی اطاعت پر مجبور ہے ------- لیکن درحقیقت اصل اطاعت جو طوعِ خاطر سے کی جائے اس کے لئے "مِنْکُم" شرطِ لازم ہے۔

۲۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا' اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت مستقل بالذّات ہے' لیکن اولی الامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے تابع اور اس سے مشروط ہے۔ یہ اطاعت کبھی بھی غیر مشروط نہیں ہو سکتی' بلکہ ہمیشہ سے مشروط رہی ہے اور ہمیشہ مشروط ہی رہے گی۔

"اولی الامر" کون ہیں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اولی الامر کون ہیں؟ ہم اس کا بھی تجزیہ کرتے ہیں۔ اولی الامر معاشرتی نظام میں بھی ہیں اور سیاسی نظام میں بھی۔ چنانچہ گھر کا سربراہ اپنے گھر کے لئے والیٔ امر ہے۔ اسی طرح معاشرتی نظام میں ہر جگہ درجہ بدرجہ ہر شخص کی جو بھی حیثیت ہے اس کے اعتبار سے وہ اپنے دائرے کے اندر صاحبِ امر ہے۔ لہٰذا اطاعت کا سلسلہ صرف حاکمِ اعلیٰ تک محدود نہیں سمجھنا چاہئے۔ بیوی کے لئے شوہر والیٔ امر ہے' جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا: "فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ" کہ نیک بیویاں وہی ہیں جو اپنے شوہروں کی فرمانبردار ہیں۔ بیوی کے لئے شوہر کے ہر حکم کی اطاعت

لازم ہے، اِلّا یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے متصادم ہو: **لَا طاعۃَ لمخلوقٍ فی معصیۃِ الخالق ــــــ**

مزید بر آں، ماتحت امراء کا شمار بھی اولی الامر میں ہوتا ہے۔ ایسے امراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ہوتے تھے، جیسے کہیں کوئی لشکر بھیجا جاتا تو اس کا کسی کو سپہ سالار مقرر کیا جاتا، کہیں کوئی چھوٹا سا دستہ بھی بھیجا جاتا تو اس میں بھی کسی کو امیر بنایا جاتا۔ اس ضمن میں میں چاہتا ہوں کہ حضورؐ کی حیاتِ طیّبہ کے دو واقعات آپ کے سامنے آ جائیں۔ غزوۂ احد میں ۳۵ حضرات کی طرف سے اپنے امیر حضرت جُبَیر بن مُطعَمؓ کی حکم عدولی کا واقعہ بہت مشہور ہے ۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کا امیر مقرر کر کے ایک درّے پر متعیّن کیا تھا اور ان حضرات کو حکم دیا تھا کہ آپ لوگ اس درے کو مت چھوڑیں خواہ ہمیں شکست ہوجائے، ہم سب قتل ہوجائیں اور آپ لوگ دیکھیں کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ نوچ کر کھارہے ہیں ۔ ان حضرات نے جب اپنے لشکر کو فتح سے ہمکنار ہوتے اور دشمن کو راہِ فرار اختیار کرتے دیکھا تو درے کو چھوڑ کر جانے لگے، کیونکہ ان کے خیال میں حضورؐ نے درے کو نہ چھوڑنے کا جو حکم دیا تھا وہ شکست کی صورت میں تھا۔ لوکل کمانڈر حضرت جُبَیر بن مطعمؓ انہیں روکتے رہے، لیکن ان ۵۰ میں سے ۳۵ صحابہ کرامؓ درے کو چھوڑ گئے۔ ماتحت امیر کے حکم کی خلاف ورزی کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری طور پر یہ دی گئی کہ جیتی ہوئی جنگ کا پانسہ پلٹ دیا گیا۔ سورۂ آلِ عمران میں اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ

کہ اللہ نے تو تمہیں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا جب تم انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ یہاں تک کہ تم ڈھیلے پڑے، تم نے نظم کو توڑا اور تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ میں تم کو وہ چیز دکھا چکا جو تمہیں بہت محبوب ہے، یعنی فتح!ــــ یہاں نافرمانی سے مراد رسولؐ کی نافرمانی نہیں، بلکہ ماتحت کمانڈر کی نافرمانی ہے، کیونکہ رسولؐ کے حکم کی تو انہوں نے تاویل کرلی تھی۔

اسی طرح دوسرا واقعہ یہ کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کا ایک دستہ کہیں بھیجا اور ان میں سے ایک صاحب کو اس کا امیر مقرر کیا۔ یہ صاحب ذرا جلالی مزاج کے مالک تھے ' کسی بات پر اپنے ساتھیوں سے ناراض ہوگئے اور یہ ناراضگی اس حد تک پہنچی کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ایک بہت بڑا گڑھا کھودنے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے گڑھا کھود دیا تو ان سے فرمایا کہ اس کے اندر لکڑیاں جمع کرو۔ لکڑیاں جمع کردی گئیں تو انہیں آگ لگانے کا حکم دیا۔ جب آگ بھڑک اٹھی تو ساتھیوں سے فرمایا کہ اب اس آگ کے اندر کود جاؤ! اس پر ساتھیوں نے کہا کہ اس آگ سے بچنے کے لئے تو ہم نے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن تھاما ہے ' ہم اس میں داخل ہونے کو تو تیار نہیں ہیں۔جب واپس آکر یہ معاملہ حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضورؐ نے ان کی تصویب کی اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنے اس امیر کا حکم مان کر آگ میں کود پڑتے تو ہمیشہ آگ ہی میں رہتے۔ اس لئے کہ یہ خود کشی ہوتی جس کی سزا خلود فی النار ہے۔ چنانچہ ماتحت امراء کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اللہ اور رسول کے حکم کے تابع تھی'اس دائرے سے خارج نہ تھی اور آپؐ کے بعد بھی یہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ مشروط رہے گی۔

فقہاءِ کرامؒ کا عظیم کارنامہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ معاملہ اس اعتبار سے بہت کٹھن بن گیا ہے کہ اب قرآن بھی ہمارے سامنے صرف ایک متن کی صورت میں موجود ہے ' اللہ ہمارے سامنے بنفسِ نفیس نہیں ہے ' وہ نہ ہمیں براہِ راست حکم دے رہا ہے اور نہ براہِ راست اپنے حکم کی تاویل و توضیح کررہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے میں اللہ کے احکام کی تاویل بھی فرماتے اور اس کی توضیح بھی فرماتے' جو ہرلحاظ سے مستند ہوتی۔ انہیں اس کا اختیار حاصل تھا۔ اسی طرح حضورؐ خود اپنے حکم کے بارے میں بھی وضاحت فرمادیتے تھے کہ میری اس بات کی حیثیت واجب التعمیل حکم کی ہے اور میری یہ بات صرف مشورے کے درجے میں ہے۔ تو معاملہ بہت سادہ

تھا۔ لیکن اس کے بعد یہ متعین کرنا اتنا آسان نہیں رہا کہ قرآن حکیم کے اوامر میں سے کونسے واقعۃً واجب التعمیل ہیں اور کونسے صرف مستحب کے درجے میں ہیں ' مثلاً سورۃ الجمعہ میں جو یہ فرمایا گیا کہ جب جمعہ کی نماز ہوجائے تو زمین میں منتشر ہوجاؤ (فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ) تو کیا یہ وجوب کے لئے ہے؟ عام اصول تو یہی ہے کہ "الامرُ لِلوُجوب" لیکن جمعہ کی نماز کے بعد زمین میں پھیل جانا اور کاروبارِ دنیا میں مصروف ہوجانا تو لازم نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن حکیم کے بعض اوامر ایسے ہیں جو لازم نہیں ہیں' بلکہ ان سے استحباب یا اجازت کا مفہوم نکلتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے ضمن میں یہ معاملہ اور زیادہ مشکل ہوجاتا ہے۔ ہر حدیث کے بارے میں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ آپؐ کا فرمان ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی سند کیا ہے؟ سند قوی ہے یا ضعیف ؟ پھر یہ کہ اس کی حیثیت کیا ہے؟ آیا یہ آپ کا حکم تھا' مشورہ تھا' ذاتی رائے تھی یا اجتہاد تھا؟ اصل میں یہی وہ دِقّت تھی جس کے حل کے لئے حضورؐ کے انتقال کے بعد سو دو سو برس تک امت کے بہترین دماغ انہی چیزوں پر سوچ بچار کرتے رہے ۔ وقت کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ نے فقہاء کی ایک کونسل بنائی ۔ ان کا یہ عمل (معاذ اللہ) کوئی مشغلے کے طور پر نہ تھا۔ ان کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ وہ محض شغل کے طورپر ان کاموں میں لگے رہتے ۔ انہیں اس ضرورت کا شدید احساس تھا کہ احکامِ شریعت کی درجہ بندی کی جائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ کونسی شے فرض ہے ' کونسی واجب' کونسی سنتِ مؤکدہ ہے اور کونسی مستحب کے درجے میں ہے ۔ پھر ان احکام کے تعین کے لئے اصول و ضوابط معین کئے گئے۔ اصولِ فقہ ' اصولِ تفسیر اور اصولِ حدیث مقرر ہوئے۔ مختلف فقہی مسالک کے مابین جو اختلافات سامنے آئے وہ ایک فطری بات ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں انسانی ذہن کام کرتا ہے وہاں اختلاف کی گنجائش پیدا ہوتی ہے ۔ تو اس اعتبار سے یہ بات سمجھ لیجئے کہ اصل میں یہ وہ مشکل ہے کہ جسے حل کرنے کے لئے اسلاف کے بہترین دماغوں نے ایک طویل عرصہ صرف کیا ہے۔ اور اس کا امکان نہیں ہے کہ اب ہم ان حدود سے آگے بڑھ سکیں۔ اب ہمارے پاس کوئی مزید نئی احادیث تو نہیں آسکتیں ' احادیث کا پورا ذخیرہ ان کے

سامنے موجود تھا ۔ آج ہم بیٹھ کر کوئی نیا "اسماء الرجال" بھی گھڑ نہیں سکتے' بلکہ اسلاف نے راویوں کے بارے میں تحقیق و تفتیش کے بعد ان پر جو جرح و تعدیل کی اس پر آج ہمیں اعتماد کرنا ہوگا ۔ہمارا یہ علمی ورثہ جس کا اس قدر وسیع و عریض اثاثہ ہمارے پاس موجود ہے یہ بے بنیاد نہیں ہے ' اس کی پشت پر کوئی خواہ مخواہ کی موشگافی کا جذبہ یا شوق کارفرما نہیں تھا ' یہ سب کچھ محض مشغلے کے طور پر نہیں کیا گیا' بلکہ یہ دین کی ایک اہم بنیادی اور واقعی ضرورت تھی جس کو ان ائمۂ دین نے پورا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ کو مجددین میں شمار کیا گیا ہے۔

اطاعت کی دو عملی صورتیں

رہا یہ سوال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اطاعتؐ کا یہ نظام عملاً کیسے چلے گا ' تو عملی طور پر اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ---- اگر تو اسلامی نظامِ حکومت قائم ہے تو اس کا والیٔ امر' جسے آپ خلیفہ کہیں یا سلطان ' اس کی اطاعت لازم ہے ۔ اس اطاعت کے ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلیفہ کی اپنی رائے میں بھی تو غلطی ہوسکتی ہے ۔ اب یہ کون طے کرے گا کہ خلیفہ کی رائے درست ہے یا نہیں؟ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ میں اللہ ' رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کے حکم کے بعد اصولی طور پر تو یہ طے کردیا گیا کہ **فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ** کہ اگر کسی معاملے میں تمہارے مابین تنازعہ ہوجائے تو اس معاملے کو اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹا دو ' لیکن عملاً اس کا نظام کیا ہوگا؟ والیٔ امر اگر اپنی کسی رائے کے بارے میں کہہ رہا ہو کہ یہ چیز شریعت کے دائرے کے اندر ہے ' لیکن کوئی صاحبِ علم یہ کہے کہ نہیں ' اس سے شریعت کا فلاں حکم ٹوٹ رہا ہے تو اس کے فیصلے کے لئے کوئی ادارہ ' کوئی انسٹی ٹیوشن ہونا چاہیے۔ عہدِ حاضر میں خلافت کا نظام جب بھی قائم ہوگا اس میں اہم ترین مسئلہ یہی ہوگا کہ اس اختلاف کا فیصلہ کون کرے؟ اول تو یہ کہ اولی الامر کیسے وجود میں آئیں؟ قرآن مجید نے ہمیں اس کا کوئی نظام نہیں دیا اور اس معاملے کو کھلا رکھا ہے ' اس لئے کہ نزولِ قرآن کے وقت معاشرتی ارتقاء (Social Evolution) کا عمل بھی ابھی جاری تھا اور اس میں انسان کو ابھی درجہ بدرجہ ترقی کرنا تھی ۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ منقطع ہوچکا ۔ اب

کوئی والیٔ امر نبی نہیں ہوگا ' لہٰذا معصوم نہیں ہوگا ۔ البتہ وہ مسلمانوں میں سے ہوگا اور اس کا تقرر عَن مَشورۃِ المسلمین (مسلمانوں کے باہمی مشورے سے) عمل میں آئے گا ۔ اس کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر صاحبِ امر ایک بات کہے اور کچھ اہلِ علم یہ محسوس کریں کہ یہ از روئے قرآن و حدیث غلط ہے تو اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ معاشرتی ارتقاء کا عمل آج جس مقام تک پہنچا ہے اس میں ریاست کے تین بنیادی اعضاء(Basic Organs) معین کئے گئے ہیں ' یعنی مقننہ ' انتظامیہ اور عدلیہ ۔ اور یہ فرضِ منصبی عدلیہ یعنی اعلیٰ عدالتوں (Higher Judiciary) کے ذمے عائد ہوگا کہ وہ اس معاملے کو طے کریں ۔ خطا کا امکان اگرچہ وہاں بھی ہے ' لیکن بہرحال صاحبِ امر (خلیفہ) اور دستور ساز اسمبلی ' جسے مجلسِ ملی ' مجلسِ شوریٰ ' مجلسِ مقننہ ' مجلسِ اجتہاد ' کانگریس یا پارلیمنٹ ' جو نام بھی دیا جائے ' ان دونوں کے مابین بھی اگر نزاع پیدا ہوجائے تو اسے عدلیہ ہی کو طے کرنا ہوگا ۔ اسی طرح قوم کا کوئی فرد اگر یہ سمجھتا ہے کہ مجلسِ ملی یا مجلسِ شوریٰ نے یہ جو فیصلہ کیا ہے یہ شریعت کے منافی ہے ' یا وہ خلیفہ کے کسی فیصلے کے خلاف استغاثہ کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی عدلیہ ہی سے رجوع کرے گا۔

عملی اعتبار سے دوسری صورت یہ ہے کہ دین کا نظام ہی قائم نہیں ہے ۔ ایسی صورت میں اسے قائم کرنے کی جدوجہد اور محنت کرنا ہوگی ' اس کے لئے جہاد کرنا ہوگا ' اور اس جدوجہد کے لئے جماعت بنانا ہوگی ۔ ایسی جماعت کا جو امیر ہوگا اس کی حیثیت اولی الامر کی ہوگی ۔ اب اس صورت میں بھی جماعت کے اندر کوئی تنازعہ اٹھ سکتا ہے ' کسی کو امیرِ جماعت کی کسی رائے سے اختلاف ہوسکتا ہے ' یہ اختلاف اگر اس درجے میں ہو کہ بس رائے کا اختلاف ہے تو بات اور ہے ' اختلافِ رائے کے علی الرغم امیر کا حکم ماننا پڑے گا لیکن اختلاف کی نوعیت اگر یہ ہو کہ کوئی سمجھے کہ جس بات کا حکم دیا جارہا ہے وہ بات شریعت کی رو سے جائز نہیں ہے ' اس میں حدودِ شریعت سے تجاوز ہوگیا ہے تو اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ آخری فیصلہ اس شخص کا اپنا ضمیر ہی کرے گا ۔ یہاں کوئی عدالت فیصلہ نہیں کرسکتی ' کیونکہ یہ ایک جماعتی معاملہ ہے۔ جماعت کی اپنی کوئی علاقائی حدود (Territorial Jurisdiction) نہیں

ہیں' کسی علاقے پر اس کا حکم نہیں چل رہا ہے ' چنانچہ اس کے اندر کسی عدلیہ کا معاملہ نہیں ہوگا ' بلکہ اختلاف کرنے والے شخص کا اپنا فیصلہ ہی حتمی ہوگا ' جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا: "اِستفتِ قلبکَ وَ لو اَفتاک المُفتی" کہ اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو' اگرچہ تمہیں مفتی فتویٰ دے بھی دیں۔ گویا اصل مفتی تمہارا قلب ہے ۔ قلب کا تعلق اللہ کے ساتھ ہوتا ہے ۔ اگر تمہارا ضمیر مطمئن ہے کہ تم نے اس وجہ سے جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے کہ تمہارے نزدیک صاحبِ امر (امیر) نے شریعت کی حدود سے تجاوز کیا ہے تو اللہ کے ساتھ تمہارا معاملہ صاف رہے گا۔ اور اگر اصل سبب کچھ اور ہے ' کوئی تکبر ' حسد ' طبیعت کا کوئی نشوز پاؤں کی بیڑی بن گیا ہے یا راستے کی سختیاں ساتھ دینے میں آڑے آرہی ہیں ' آگے چلنے کی ہمت نہیں ہے اور صرف بہانہ بنایا جارہا ہے تو یہ اللہ کے علم سے باہر نہیں ' اس کے ہاں اس پر پکڑ ہوگی اور انسان کو اس کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ لیکن دنیا میں ظاہر بات ہے کہ اس کا فیصلہ کوئی دوسرا انسان نہیں کرسکتا ۔ یہ بندے اور رب کے مابین راز رہے گا ۔ یہ چند باتیں تھیں جو اس آیۂ مبارکہ کے ذیل میں ہمارے سامنے آگئیں:

وَ اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○○ (جاری ہے)

ڈیرہ اسماعیل خان میں

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ' امیر تنظیم اسلامی کی جملہ کتب اور کیسٹس درج ذیل پتہ پر حاصل کی جاسکتی ہیں:

دفتر تنظیم اسلامی ' بالمقابل جی پی او ' ڈیرہ اسماعیل خان (پی پی فون ۳۳۸۴)

ضرورت رشتہ

چکوال میں مقیم تنظیم اسلامی کے ایک رفیق ' عمر ۴۵ سال ' ایم اے (عربی - اسلامیات) ' ایم او ایل ' فاضل عربی ' لیکچرر کے لئے دینی مزاج کے حامل خاندان سے رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں ------ رابطہ کے لئے: معرفت چودھری رحمت اللہ بٹر مرکزی دفتر تنظیم اسلامی پاکستان ۶۷۔ اے ' علامہ اقبال روڈ ' گڑھی شاہو ' لاہور

دسواں کبیرہ

جھوٹ بولنا۔ جھوٹی گواہی دینا

مؤلف: ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

جھوٹ کیا ہے؟ یہ کہ جان بوجھ کر خلافِ واقعہ بات بیان کرنا۔ جھوٹ بولنے والا آدمی بظاہر غلط بیانی کر کے اپنا کوئی وقتی فائدہ حاصل کر لیتا ہے یا کسی نقصان سے بچ جاتا ہے، لیکن جب اس کے جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے تو اسے انتہائی شرمندگی اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور معاشرے کا ہر شریف اور عزت دار فرد اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ پھر جب اس کی دروغ گوئی کا چرچا ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ اس کی سچی بات پر بھی کوئی اعتماد نہیں کرتا، بلکہ اسے "جھوٹے اور کذاب" کا لقب مل جاتا ہے، جو کسی عقلمند کے نزدیک قابلِ فخر لقب نہیں۔ معاشرے میں ہمیں ایسے لوگ بھی دستیاب ہو جائیں گے کہ اُن کے جھوٹے کردار کی وجہ سے اُن کے گھر والے بھی اُن کی بات پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس سے بڑی معاشرتی رسوائی کسی انسان کے لیے اور کیا ہو گی؟

آخرت میں ملنے والی شدید ترین سزا کے علاوہ جھوٹا آدمی دنیا میں خدائی نعمت "صراطِ مستقیم" پانے کا مستحق نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ [1]

"اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور کذاب (یعنی بہت زیادہ اور مستقل جھوٹ بولنے والا) ہو۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] سورت غافر/المؤمن، آیت ۲۸

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ [1]

"اور کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو"

ایمان لانے کے بعد خواہ مخواہ ڈینگیں مارنے، بڑے بڑے دعوے کرنے اور کچھ کیے کرائے بغیر سستی شہرت سمیٹنے والوں کو ڈانٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ [2]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو ایمان کے منافی اور نفاق کی علامت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ [3]

"جس شخص کے اندر چار عادتیں ہوں وہ پکا منافق ہے۔ اور جس شخص کے اندر ان میں سے ایک عادت ہو تو اس میں نفاق کی ایک عادت ہے، جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ (اور نفاق کی وہ چار عادتیں یہ ہیں) (۱) جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے"

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:

---

[1] سورت الاسراء / بنی اسرائیل، آیت ۳۶۔

[2] سورت الصف، آیات ۲۔۳

[3] صحیح بخاری کتاب الایمان، باب علامات النفاق صحیح مسلم کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق۔

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ[1]

"منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے۔ (۲) جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے۔ (۳) جب معاہدہ کرے تو بدعہدی کرے۔"

صحیح مسلم کی روایت میں درج ذیل الفاظ کا اضافہ بھی ہے:

وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ۔

"خواہ وہ نماز روزے کا پابند ہو اور اپنے خیال میں خود کو مسلمان بھی سمجھتا ہو۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نوجوان صحابہ میں سے تھے۔ بچپن اور جوانی بلکہ ساری عمر علم سیکھنے، سکھانے اور حدیث رسولؐ بیان کرنے میں گزری۔ آپ کا شمار فقہاء صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ دُور دُور سے لوگ چل کر آتے اور آپ سے دینی مسائل دریافت کرتے تھے۔ اُن سے ایک موقع پر چند حضرات نے دریافت کیا:

قَالَ نَاسٌ لِابْنِ عُمَرَ: "اِنَّا لَنَدْخُلُ اِلٰی سُلْطَانِنَا اَوْ اُمَرَاءِنَا فَنَقُوْلُ لَهُمْ بِخِلَافِ مَا نَتَكَلَّمُ اِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمْ"، فَقَالَ: كُنَّا نَعُدُّ هٰذَا نِفَاقًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[2]

کچھ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: "جب ہم اپنے افسروں یا امیروں کے پاس جاتے ہیں تو اُن کی تعریف کرتے ہیں اور جب وہاں سے نکل آتے ہیں تو پھر اُن سے متعلق ایسی ویسی باتیں کرتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم ایسی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب مایکرہ من ثناء السلطان ۔ ۔ ۔ ۔

حرکت کو منافقت شمار کرتے تھے۔

جھوٹا آدمی ہدایتِ ربانی سے محروم رہتا ہے جیسا کہ سورت غافر/المؤمن آیت ۲۸ میں بیان ہوا ہے لہٰذا نتیجۃً وہ جنت میں داخلے سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا۔ وَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔[1]

"سچائی انسان کو نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے۔ آدمی مستقل سچ بولتا رہتا ہے بالآخر اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق (بہت زیادہ سچ بولنے والا) لکھ دیا جاتا ہے۔ جبکہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے۔ اور فسق و فجور جہنم میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ آدمی مستقل جھوٹ بولتا رہتا ہے بالآخر اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب (یعنی پرلے درجے کا جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنا خواب بیان فرمایا اور بتایا کہ آج رات خواب میں، میں نے فلاں فلاں قسم کے مجرم کا یہ یہ حال دیکھا۔ جھوٹ بولنے والے کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُسْتَلْقٍ لِقَفَاهُ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِكَلُّوبٍ مِنْ حَدِيدٍ وَإِذَا هُوَ يَأْتِي أَحَدَ شِقَّيْ وَجْهِهِ فَيُشَرْشِرُ شِدْقَهُ إِلَى قَفَاهُ وَمِنْخَرَهُ إِلَى قَفَاهُ وَعَيْنَهُ إِلَى قَفَاهُ، ثُمَّ يَتَحَوَّلُ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِالْجَانِبِ الْأَوَّلِ، فَمَا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول اللہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ ومایُنھیٰ عَنِ الکذب۔ صحیح مسلم، کتاب البر، باب قبح الکذب وحُسن الصِّدق وفضلہ۔

يَفْرُغُ مِنْ ذٰلِكَ الجَانِبِ حَتّٰى يَصِحَّ ذٰلِكَ الجَانِبُ كَمَا كَانَ، ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ مِثْلَ مَا فَعَلَ المَرَّةَ الأُولٰى، قَالَ: قُلْتُ سُبْحَانَ اللهِ مَا هٰذَانِ؟ فَقَالَا، فَإِنَّهُ كَانَ يَغْدُو مِنْ بَيْتِهِ فَيَكْذِبُ الكِذْبَةَ تَبْلُغُ الآفَاقَ [1]

"چنانچہ ہم ایک آدمی کے پاس آئے جو گُدّی کے بل چت لیٹا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے اُوپر کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کی آنکس تھی (درانتی اور ہنسوا جیسا آلہ جو ذرا چھوٹا ہوتا ہے)۔ (کیا دیکھتا ہوں) کہ وہ لیٹے ہوئے آدمی کے ایک طرف آتا ہے اور جبڑے کو گُدّی تک چیر دیتا ہے، اور اس کے نتھنے کو بھی گُدّی تک چیر دیتا ہے، اور اُس کی آنکھ کو گُدّی تک چیر دیتا ہے۔ پھر وہ دوسری طرف جاتا ہے اور وہاں بھی اسی طرح کی چیر پھاڑ کرتا ہے۔ اور ابھی وہ دوسری طرف سے فارغ بھی نہیں ہو پاتا کہ پہلی جانب اپنی اصلی شکل پر پلٹ آتی ہے (یعنی صحیح و سالم ہو جاتی ہے) وہ آدمی اس جانب کی دوبارہ چیر پھاڑ کرتا ہے جس طرح اُس نے پہلے چیر پھاڑ کی تھی (گویا یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے کہا سبحان اللہ! ان دونوں کا کیا ماجرا ہے؟ دونوں فرشتوں نے مجھے بتایا: یہ آدمی گھر سے نکلتا تو کوئی ایسا جھوٹ بولتا جو دُور دُور تک پھیل جاتا۔"

واضح رہے کہ انبیاء کرام کے خواب وحیِ الٰہی کا حصہ ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے خواب ہی کی بنیاد پر حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور عملاً اس کے لیے کوشش بھی کی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دُنبے کی شکل میں اسے مکمل کر دیا۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں سورت الصّٰفّٰت کی آیت ۱۰۲ تا ۱۰۷۔

جھوٹ صرف یہی نہیں ہوتا کہ انسان اپنی طرف سے غلط بیانی کرے، بلکہ یہ بھی جھوٹ ہے کہ ہر سنی سنائی بات جس کا نہ کوئی سر ہو نہ پَیر آگے بیان کر دے۔ انسان کو بلاتحقیق بات نہیں کرنی چاہیے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب تعبیر الرؤیا، باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جھوٹ شمار کیا ہے۔ فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ [1]

"کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔"

عام معاملات کا جھوٹ کسی وقت پکڑا جا سکتا ہے، اس لیے بعض لوگ بطور احتیاط اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور جو جھوٹ پکڑا نہ جا سکتا ہو اسے بیباکی سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً جھوٹا خواب بیان کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹا خواب بیان کرنے کے بارے میں شدید وعید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا:

مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَفْعَلَ [2]

"جس آدمی نے بن دیکھے جھوٹی اور فرضی خواب بیان کیا، روزِ قیامت اسے جَو کے دو دانوں کے درمیان گانٹھ لگانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور وہ ہرگز ایسا نہ کر سکے گا۔"

دوسرے موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَفْرَى الْفِرٰى اَنْ يُرِيَ الرَّجُلُ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا [3]

"سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی وہ خواب بیان کرے جو اس نے دیکھا ہی نہیں ہے۔"

(جاری ہے)

---

[1] صحیح مسلم، المقدمۃ، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع۔

[2] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب من کذب فی حلمہ۔

[3] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب لیس من رجل ادعی لغیر ابیہ وہو یعلم الا کفر۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تنظیمِ اسلامی حلقہ سندھ کے زیرِ اہتمام

سہ روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

(۴ تا ۶ ستمبر ۹۲ء)

حلقہ سندھ کی طرف سے کراچی کی تمام تنظیموں پر مشتمل ایک سہ روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام ترتیب دیا گیا۔ اس پروگرام کو جناب محمد عبدالنعیم صاحب امیرِ تنظیم اسلامی شرقی نمبرا کے سپرد کیا گیا' جنہوں نے اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی نبھایا۔ جب تک کسی شخص پر کوئی ذمہ داری نہ ڈالی جائے اس کی صلاحیتیں نہیں ابھرتیں اور نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر کیا کیا صلاحیتیں مخفی ہیں۔

یہ سہ روزہ پروگرام اگرچہ مثالی تو نہیں کہا جا سکتا مگر اپنی افادیت کے اعتبار سے بھرپور رہا۔ خود کفالت کے اعتبار سے یہ یقیناً مثالی تھا' اس لئے کہ اپنے ہی رفقاء میں سے مقرر بھی تھے اور مدرس بھی۔ باہر سے کسی مقرر نے کوئی خطاب نہیں کیا۔ خوشی اس بات کی ہے کہ جس کمی کا پہلے شدت سے احساس کیا جاتا تھا اب رفتہ رفتہ وہ کمی دور ہوتی جارہی ہے اور ہمارے اپنے ساتھی ہر طرح کی ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہوتے جارہے ہیں۔

اس پروگرام کا آغاز جمعہ ۴ ستمبر قبل از نمازِ جمعہ ہوا۔ حسبِ پروگرام رفقاء وسطی تنظیم کے دفتر میں تشریف لائے۔ قریب کی چار مساجد میں مکتبہ لگایا گیا۔ نمازِ عصر تا مغرب گشت کا پروگرام تھا' جس کے لئے تین بڑے گروپس ترتیب دئے گئے۔ ہر ایک گروپ نے اپنے ساتھیوں کے چھوٹے گروپ بنائے اور دعوت کے لئے پھیل گئے۔ اس طرح ایک بڑے علاقے میں تنظیم کا تعارف ہوا۔ لوگوں کو بعد نمازِ مغرب دفتر میں تشریف لانے کی دعوت دی گئی' تاکہ وہ اطمینان سے بیٹھ کر بات کو سن سکیں۔ بعد نمازِ مغرب جناب اسدالرحمٰن فاروقی صاحب نے قرآن مجید کی آیات کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت واضح کیا اور اس کی روشنی میں ہمارے کرنے کے اصل کام کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے کہا کہ سابقہ امت مسلمہ یعنی بنی اسرائیل نے اپنے رسول کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا' اگر ہم بھی اپنے رسول کے ساتھ وہی رویہ اختیار کرینگے تو ہم بھی اسی سزا کے مستحق ہو جائینگے جو اس امت کو ملی تھی۔ آپ نے اپنے خطاب میں الھدیٰ اور دین الحق کی وضاحت بھی کی۔ اگرچہ وقت کی کمی کے باعث زیادہ تفصیلی گفتگو نہیں ہو سکی' مگر پھر بھی جناب فاروقی صاحب نے موضوع کا حق خوب

ادا کیا۔ وقت کی تحدید کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مقرر اپنی بات کو اختصار کے ساتھ بھرپور انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اسے تھوڑے وقت میں اپنی پوری بات کہنے کی عادت ہو جاتی ہے اور سامعین بھی اپنے اوپر بوجھ محسوس نہیں کرتے' بلکہ وہ زیادہ استفادہ کرتے ہیں۔ خطاب کے بعد سوالات و جوابات کی نشست بھی ہوئی۔

۵ر ستمبر بروز ہفتہ کا پورا دن رفقاء کے اپنے پروگرام رہے جو تربیتی نوعیت کے تھے۔ طہارت اور وضو کے سلسلے میں جناب عبیداللہ صاحب نے رفقاء کو مسائل بتائے اور اس ضمن میں جو دعائیں منقول ہیں وہ سنائیں بھی اور رفقاء سے پڑھوائیں بھی۔ نماز کی ظاہری و باطنی کیفیت پر جناب شعیب الرحیم صاحب نے کیف آمیز باتیں کیں اور ظاہری شکل کو باقاعدہ صف بندی کر کے سمجھایا۔ "بیانِ مغفرت" جناب عبدالخالق صاحب کے ذمہ تھا۔ آپ کا شمار تنظیم کے اہم بزرگوں میں ہوتا ہے۔ یوں تو ہر شخص کی قبر اس کے سامنے ہے' مگر عبدالخالق صاحب کی باتیں سن کر تمام فاصلے سمٹ جاتے ہیں اور قبر ہاتھ بھر سے بھی زیادہ قریب آجاتی ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ اللہ کے ولی کی پہچان یہ ہے کہ جب تم اس کے پاس بیٹھو تو محسوس کرو کہ دنیا تم سے دور ہوتی جارہی ہے اور آخرت بالکل قریب آگئی ہے۔ محترم عبدالخالق صاحب کی باتیں سن کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ درد' سوز اور تڑپ کے پیکر ہیں۔ ان کا وجود ہماری تنظیم کے لئے بہت غنیمت ہے' ہمیں ان سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے اور ان کے درد و سوز کو اپنے اندر بھی جذب کرنا چاہئے۔

بعد نمازِ مغرب دعوتی پروگرام کے ضمن میں جناب نوید احمد صاحب نے "منہج انقلابِ نبوی" کو مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا اور اسی کے حوالے سے ہماری ذمہ داریوں کی یاد دہانی بھی کرائی۔ جناب نوید احمد صاحب کے لئے بھی وقت محدود تھا' آپ نے اس محدود وقت میں اپنی گفتگو کو بہترین انداز میں سمیٹ کر سامعین کے سامنے رکھ دیا' کوئی تشنگی محسوس نہیں ہوئی اور بات مکمل انداز میں سامنے آگئی۔

رفقاء کا تعارف بھی پروگرام کا ایک حصہ تھا۔ اپنی دلچسپی کے اعتبار سے یہ پروگرام بہت پسند کیا گیا' خصوصاً اس کا وہ اہم سوال کہ آپ تنظیم اسلامی میں کیوں شامل ہوئے؟ اس کے ضمن میں ہر ایک نے اپنی کہانی سنائی جو دلچسپ بھی تھی اور عبرت انگیز بھی۔ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جب وہ اسے دین کی طرف پھیر دیتے ہیں تو موانعات کے پہاڑ تنکوں کی طرح بہہ جاتے ہیں' انسان اپنے اندر ایک خوشی اور طمانیت محسوس کرتا ہے' روح کی آسودگی کا سامان ہو جاتا ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

۶ر ستمبر کا دن اجتماع کا تیسرا اور آخری دن تھا۔ جناب احمد نواز صاحب داعی کے اوصاف پر

گفتگو کرنے کھڑے ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ نوٹس لکھ کر لائے تھے، غالباً ان کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس پہلے موقع پر انہوں نے جو تاثر چھوڑا اس سے اندازہ ہوا کہ تھوڑی سی مشق کرنے کے بعد وہ اچھے مقرر بن سکتے ہیں۔ بات کی ادائیگی کا سلیقہ انہیں آتا ہے، پھر اعتماد کے ساتھ بولتے ہیں اور مضمون کو ترتیب بھی اچھی دے لیتے ہیں۔ آج چھٹی کی مناسبت سے گشت کا پروگرام بنایا گیا۔ گذشتہ روز کی تشکیل شدہ ٹیمیں انہی علاقوں میں دوبارہ یاددہانی کے لئے بھیجی گئیں۔ یہ لوگ ۱۲ بجے سے قبل واپس آگئے۔ گشت کے نتیجے میں کچھ لوگ دفتر تشریف لائے۔ ہمارا آخری پروگرام "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" کے موضوع پر تھا، جسے جناب اسرار الرحمٰن فاروقی صاحب نے سامعین کے سامنے ایک نئے انداز سے رکھا۔ ان کی تقریر تو ایسی تھی جسکی مکمل رپورٹنگ کی جانی چاہئے، مگر کاغذ کی تنگ دامانی حائل ہے، چنانچہ اس کا صرف تاثر ہی مختصراً بیان کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے بورڈ پر ایک مثلث بنا کر قرآن مجید کی آیت کے حوالے سے فرمایا کہ ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا نام ہے، جس کے نتیجے میں محبت قلبی، اطاعتِ کلی اور اتباع کا تقاضا ابھرتا ہے۔ پھر توقیر و تعظیم کے بعد نصرت و حمایت کے لئے کمربستہ ہونا پڑتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ نہیں ہے تو کہاں کا ایمان اور کہاں کی محبت؟ حبِ رسولؐ کے جھوٹے دعوے کی حقیقت کچھ بھی نہیں، محض دھوکہ ہے۔ حقیقی محبت تو وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مشن کی تکمیل کے لئے تن من دھن لگانے پر مجبور کرے۔ اس متاثر کن تقریر نے سامعین کو سوچنے پر مجبور کیا اور اسی حوالے سے اپنے تصورات کا جائزہ لینے اور آمادۂ عمل ہونے کا بھرپور داعیہ پیدا کیا۔ اس کے بعد ناظمِ حلقہ جناب نسیم الدین صاحب کی اختتامی ہدایات تھیں جو قریباً سوا گھنٹے پر محیط تھیں۔ ان کی گفتگو کی چیدہ چیدہ باتیں یہ ہیں:

○ نظم و ضبط کی کمی کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔
○ محنت کی مقدار از خود متعین کرنی چاہئے کہ ہم دنیا کے لئے کتنا وقت دیتے ہیں اور اس مشن کے لئے کتنا وقت نکالتے ہیں۔
○ کام کی عظمت کا شعوری احساس ہونا چاہئے۔
○ کام کا ہدف اور وقت کا تعین ضروری ہے، اور اس ہدف کے حصول کے لئے غیر معمولی محنت کی ضرورت ہے۔
○ ہم نے اس تربیت گاہ میں جو کچھ سیکھا ہے اسے آگے بڑھائیں اور اپنے جذبے میں ترقی ہونی چاہئے۔
○ نیت کا اخلاص اور احتسابِ نفس بہت ضروری ہے۔ شیطان کے کید سے ہوشیار رہنا

چاہئے۔
○ شریعت کی پابندی میں عزیمت کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔
○ نرم خوئی اختیار کرنی چاہئے۔ صبرو تحمل اور عفو و درگذر کو اپنانا چاہئے۔
○ عاجزی اختیار کرنی چاہئے' اپنے کو دوسروں سے کمتر سمجھنا چاہئے۔ ایثار' خیر خواہی' نیک برتاؤ' فیاضانہ معاملہ اور خوش خلقی کو اپنانا چاہئے۔
○ ایسا انداز اختیار نہ کریں کہ مخالف کو ہماری بات سے ضد پیدا ہو۔
○ آخر میں فرمایا کہ اس بات کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ ہم بیعت سمع وطاعت کی اسی اسپرٹ میں پیروی کر رہے ہیں یا نہیں؟
دعا کے بعد یہ سہ روزہ اجتماع اپنے اختتام کو پہنچا۔

(مرتبہ : نجیب صدیقی)

○

ماہانہ تربیتی پروگرام جمعیۃ خدام القرآن
مرکز العین (ابو ظبی)
(۱۳۔ ۱۴ اگست ۱۹۹۲ء بروز جمعرات' جمعہ)

مرکز العین میں ایک لحاظ سے یہ دوسرا باضابطہ ماہانہ تربیتی پروگرام تھا۔ اس پروگرام میں شرکت اور رہنمائی کرنے کے لئے ابو ظبی مرکز سے جناب شیخ فہیم صاحب' جناب شمیم احمد صاحب' جناب منیر احمد صاحب اور جناب محمد اشرف صاحب تشریف لائے تھے۔ العین مرکز کے تقریباً جملہ احباب بھی شریک ہوئے۔

۱۳/ اگست : تربیتی پروگرام وقت کے مطابق شروع ہوا۔ ٹھیک ۵-۱۵ پر سورۃ العصر کے مطالعہ کی ورکشاپ کا آغاز ہوا' جس کی نگرانی جناب شیخ فہیم صاحب نے کی۔ آپ نے مطالعہ کا آغاز کیا اور بعد میں بعض احباب کو بھی اس سورۂ مبارکہ کے چند ایک پہلوؤں پر اظہارِ خیال کا موقع دیا گیا۔ ۶-۱۵ پر جناب منیر احمد صاحب نے "تحریکی کارکنوں کے اوصاف" کے موضوع پر خطاب کیا۔ آپ نے قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں ایک سچے اور ثابت قدم مومن کے اوصاف بیان کئے جو کہ ایک تحریکی کارکن کے لئے لازم ہیں۔

اس کے بعد نمازِ مغرب کی تیاری کیلئے احباب وضو وغیرہ کر کے کویتات میں مسجد کی جانب روانہ ہوگئے' جہاں نمازِ مغرب باجماعت ادا کرنے کے بعد حسبِ دستور درسِ قرآن شروع

ہوا۔ جناب شمیم احمد صاحب نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کا ترجمہ اور تفسیر نہایت مدلل اور دل نشین انداز میں پیش کیا۔ اس درس میں تنظیم اور جمعیت کے ارکان کی نسبت زیادہ تعداد دوسرے سامعین کی تھی۔

درس کے بعد احباب واپس مرکز کی جانب روانہ ہوگئے اور تنظیمی معاملات کے بارے میں باہمی گفتگو میں مصروف رہے۔ چونکہ نماز عشاء کا وقت قریب آگیا تھا' اس لئے احباب متصل مسجد میں باجماعت نماز کے لئے روانہ ہوگئے۔ واپسی پر رات کے کھانے کا دور چلا جس کا انتظام و انصرام جناب اسلم صاحب کی ہدایات کے مطابق جناب میر خطاب صاحب اور خواجہ عنصر صاحب نے نہایت خوش اسلوبی سے مثالی طور پر سرانجام دیا۔ ۱۰ بجے اسلم صاحب نے "قربِ الٰہی بذریعہ نوافل" کے موضوع پر بات کرنا تھی' لیکن چند ایک اچانک گھریلو مجبوریوں کے تحت وہ نہ آسکے تھے۔ اس لئے میثاق جون ۹۲ء میں مطبوعہ جناب امیرِ محترم کے خطاب کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔ ۱۰-۳۰ بجے یہ پروگرام ختم ہوا اور احباب اپنے شب بسری کے انتظام میں لگ گئے۔

۱۴ر اگست بعلی الصبح ساڑھے تین بجے بروز جمعہ تمام احباب جو مرکز میں موجود تھے متصل مسجد میں ادائیگی نمازِ تہجد کیلئے تشریف لے گئے اور بعد میں تمام احباب واپس مرکز میں تشریف لے گئے' جہاں قرآن مجید کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔ تمام احباب مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے اور آیۂ بر کی تلاوت اور ترجمہ کا دور کیا۔

بعد ازاں نمازِ اشراق ادا کی گئی اور اس سے فراغت کے بعد ناشتہ تناول کیا گیا جس کا انتظام ہر لحاظ سے معیاری تھا۔

۶-۴۵ پر جناب شیخ فہیم صاحب کی سرکردگی میں امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب "فریضۂ اقامتِ دین" کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔ ۷-۳۰ بجے جناب قیصر زمان صاحب نے سیرۃ صحابہ پر تقریر کی۔ آپ نے سیرتِ صحابہ سے چند ایک منتخب موضوعات پر دل نشین اور ایمان افروز پیرایہ میں خطاب کیا۔ ۸-۵۰ پر جناب شمیم احمد صاحب نے حقیقتِ ایمان پر نہایت مدلل اور ایمان افروز خطاب کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کے تربیتی پروگرام میں جناب شمیم صاحب کی موجودگی ہمارے لئے ہر لحاظ سے روحانی تربیت کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ ۹-۳۰ پر راقم نے حالات حاضرہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ میں نے عالمی حالات کے تناظر میں مسلمانوں کی زبوں حالی پر روشنی ڈالنے کی مقدور بھر کوشش کی جس میں بوسنیا میں مسلمانوں کی نسلی تطہیر' صومالیہ میں غربت و افلاس' کشمیر میں مسلمانوں کی تحریکِ آزادی پر تشدد' عالمِ عرب میں اسرائیل کی چودھراہٹ اور امریکہ' جو کہ اب پوری دنیا کا بڑا چودھری بنا ہوا ہے'

کے مسلمانوں کے بارے میں امتیازی اور چالبازی سے عبارت طرزِ عمل کا ذکر تھا۔

آخر میں احباب سے تربیتی پروگرام کے بارے میں رائے طلب کی گئی۔ جناب فہیم صاحب نے احباب سے اختتامی خطاب کیا، اور پروگرام کے دوران چند ایک خامیوں کی نشاندہی بھی کی اور اس توقع کا اظہار کیا کہ آئندہ یہ پروگرام اس سے بہتر نظم و ضبط کے ساتھ ہوا کرے گا۔

مرتبہ
غلام ربانی شاہ

○

ماہانہ تربیت گاہ

منعقدہ ۲۷-۲۸ اگست ۱۹۹۲ء

جمعیۃ خدام القرآن ابو نبی کی یہ ماہانہ تربیت گاہ حسبِ معمول مہینہ کے آخری جمعرات، جمعہ کو منعقد ہوئی، جو حسب ذیل پروگراموں پر مشتمل تھی۔ نمازِ عصر کے بعد جناب محمد حسن انجم صاحب نے درسِ قرآن دیا۔ ان کا موضوع "صبر و نماز" تھا۔ جناب انجم صاحب نے یہ درس ماشاء اللہ انتہائی مدلل اور پر اثر انداز میں بھرپور تیاری کے ساتھ دیا جو رفقاء کے دلوں کو گرما گیا۔ درسِ قرآن کے بعد جناب محمد شمیم اختر صاحب نے "فرائضِ دینی کا جامع تصور" کپڑے کے ایک بہت بڑے بینر کے ذریعے (جو کہ انہوں نے خود ڈیزائن کیا تھا) انتہائی مدلل طریقے سے سمجھایا، جو ان کے اپنی فکر کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان کے خلوص اور محنت کی بھرپور غمازی کرتا تھا۔

نمازِ مغرب کے وقت سے ذرا پہلے جناب ناظمِ تربیت شاہد اسلم صاحب نے تمام رفقاء کو، جن کی تعداد ۴۰ تھی، تین علیحدہ علیحدہ گروپوں میں تقسیم کر کے تین مختلف مساجد میں روانہ کر دیا، جہاں جناب امجد علی نیر (مسجد انسؓ بن مالک)، جناب عبدالقدیر بٹ (مسجد حمزہؓ بن عبدالمطلب) اور جناب خادم حسین (مسجد مرکز پاکستان) نے بعد نمازِ مغرب دروس دیئے۔ مسجد انسؓ بن مالک میں حاضری ۴۰ کے لگ بھگ تھی، مرکز پاکستان میں حاضری کم و بیش ۳۰-۳۵ رہی، جب کہ مسجد حمزہؓ بن عبدالمطلب میں رفقاء کے علاوہ قریباً ۱۰-۱۲ افراد نے شرکت کی۔ تینوں حضرات نے بڑے احسن انداز سے دروس دیئے، جنہیں مقامی لوگوں نے بھی بہت پسند کیا۔ بعد کے مشوروں اور بات چیت سے پتہ چلا کہ مقامی لوگ ان دروس کے تسلسل کے لئے زور دے رہے ہیں۔ دروس اور مشوروں کا یہ سلسلہ ان مساجد میں عشاء کی نماز تک جاری رہا

اور نماز کے بعد تمام رفقاء واپس مرکز جمعیۃ خدام القرآن ابو نبی میں بقیہ پروگرام کے لئے تشریف لے آئے۔ اس دفعہ پہلی مرتبہ جناب ناظم تربیت نے تربیت گاہ کے دوران مختلف مساجد میں دروس کا پروگرام رکھا تھا جو کہ کافی پسند بھی کیا گیا اور اس کے اثرات بھی مثبت رہے۔

مرکز واپسی کے فوراً بعد کھانا ہوا۔ کھانے سے فراغت کے بعد پروگرام دوبارہ شروع کیا گیا۔ سب سے پہلے جناب محمد ارشد صاحب کو "اسوۂ رسول" کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی گئی۔ جناب ارشد صاحب کے لئے اگرچہ یہ بولنے کا پہلا موقع تھا اور انہوں نے اپنا لکھا ہوا مضمون پڑھا' لیکن ان کی تیاری اور بولنے کا انداز ان کی مخفی صلاحیتوں کی نشاندہی کر رہا تھا۔ ان شاء اللہ وہ مستقبل میں ایک اچھے مقرر ہوں گے۔ آخری پروگرام کے طور پر جناب سید مظاہر الحسن زیدی صاحب نے تہجد کی فضیلت و اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اس طرح پہلے دن کی تربیت گاہ کا اختتام ہوا۔ رفقاء کو بستر لگانے اور چہل قدمی کے لئے ۳۰ منٹ دیئے گئے۔ اور اس طرح رات قریباً گیارہ بجے رفقاء مسنون دعاؤں اور حمد وثناء کے ساتھ نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ قریباً ساڑھے تین بجے صبح رفقاء کو تہجد کیلئے اٹھایا گیا۔ رفقاء کی اکثریت نے نماز تہجد قریبی مسجد انسؓ بن مالک میں ادا کی اور فجر کی نماز کے بعد واپسی ہوئی۔

مرکز واپسی کے بعد قراءت و تجوید کے لئے ایک ورکشاپ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ رفقاء کو تین گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک گروپ موسیٰ جان' دوسرا گروپ عبدالقدیر بٹ اور تیسرا گروپ امجد علی نیر کے حوالے کر دیا گیا' جنہوں نے رفقاء کو تجوید کے ساتھ قرآن حکیم کی قراءت کی مشق کروائی اور انہیں تجوید کے قواعد اور مخارج سے روشناس کرایا۔ بعد ازاں نظام خلافت کے دس نکات کا امتحان لیا گیا اور مذاکرہ بھی کیا گیا۔ ۶ بجے اشراق کے نوافل کی ادائیگی کا وقت دیا گیا اور پھر اجتماعی ناشتہ ہوا۔

ناشتے سے فراغت کے بعد جناب محمد سلیم صاحب نے' جو کہ شارجہ سے تشریف لائے ہوئے تھے' وائٹ بورڈ کے ذریعے عبادات کی وضاحت کی اور رسومات کی دینی ضرورتوں کو سمجھایا۔ اس طرح انہوں نے مرکزی دفتر گڑھی شاہو میں ملتزم تربیت گاہ کے دوران جو باتیں سیکھی تھیں وہ بہت ہی احسن طریقے سے یہاں کے رفقاء کو بھی سمجھادیں۔ قریباً ۴۵-۷ پر جناب اشفاق احمد عباسی صاحب کو حالات حاضرہ کے لئے بلایا گیا۔ جناب عباسی صاحب نے' جو کہ مرکز ابو نبی کے ناظم مالیات بھی ہیں' اپنی بیماری اور بخار کے باوجود انتہائی پرسوز اور درد بھرے انداز میں بوسنیا کے مسلمانوں کے حالات پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کی مجموعی بے حسی پر اظہار افسوس بھی کیا اور قرآنی آیات کے ذریعے مسلمانوں کو نفاق میں مبتلا ہونے کی وعید بھی

سنائی۔ انہوں نے دعا کی کہ مسلمان خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں اور دنیا بھر میں کہیں بھی کوئی مسلمان تکلیف میں ہو تو اس کی مدد کو پہنچیں۔ مزید برآں انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت بیان کی اور ابو ظبی کے رفقاء کو اعانت کی ادائیگی میں باقاعدگی اختیار کرنے کی ترغیب دلائی۔

آخر میں ناظم تربیت نے رفقاء کو دوروزہ پروگراموں' ہفتہ وار اور دیگر اجتماعات اور دوسری دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں کے بارے میں اظہارِ خیال کی دعوت دی تاکہ رفقاء کے تبصروں اور مشوروں سے استفادہ کیا جاسکے۔ چنانچہ رفقاء نے ماہِ رواں کے دوران الفجیرہ اور رأس الخیمہ میں ہونے والے دو روزہ پروگراموں کے بارے میں اپنے تاثرات بیان فرمائے۔ رفقاء نے تمام پروگراموں کو مفید قرار دیا اور ان کے تسلسل پر بھی اصرار کیا۔ نیز انہوں نے زیادہ سے زیادہ رفقاء کو ابو ظبی سے باہر کے پروگراموں کے لئے بھی دعوت دی۔ آخر میں رفقاء سے آئندہ ماہ کے دوران بیرون ابو ظبی کے لئے دوروزہ لگانے کے لئے نام مانگے گئے تو گیارہ رفقاء نے اپنے نام دیئے۔ چند رفقاء نے اپنی ڈیوٹیوں کو مدِنظر رکھ کر مقامی طور پر کام کرنے کے لئے تفریغِ اوقات کے ارادے کا اظہار کیا۔ اس کے ساتھ ہی جناب ناظم تربیت نے اس تربیت گاہ کے اختتام کا اعلان کردیا۔

مرتب : ابو فاروق محمد اشرف

عَنِ الحَارِثِ الاَشعَرِیِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ:

"اٰمُرُکُم بِخَمسٍ

۱ ۲ ۳ ۴ ۵
بِالجَمَاعَۃِ وَالسَّمعِ وَالطَّاعَۃِ وَالہِجرَۃِ وَالجِہَادِ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد وجامع ترمذی)

ضرورت رشتہ

شیخ قانونگو خاندان کی ایک لیڈی ڈاکٹر' عمر ۳۴ سال' کے لئے شریف اور باعزت گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔ لڑکا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا چاہیے' ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ' ع - س

معرفت ماہنامہ میثاق '۳۶۔ کے ' ماڈل ٹاؤن لاہور

خطوط و نکات

(۱)

اٹک سے مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کا مکتوب

محترم المقام جناب ڈاکٹر صاحب زید مجدکم

سلام مسنون! اگرچہ اپنی علالت کی وجہ سے اکثر رسائل کا مطالعہ ترک کردیا ہے، مگر میثاق پڑھتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم گناہ گاروں کو بھی اپنی مرضیات پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین

میثاق بابت اکتوبر ۹۲ء ص ۵۴ پر آپ کا یہ ارشاد:۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو بنیادی طور پر ایک بگڑی ہوئی مسلمان قوم (بنی اسرائیل) کو غلامی کے شکنجے سے نجات دلانے کے لئے ہی مبعوث فرمایا تھا"۔

اس لئے قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول (علیہ السلام) کو بنیادی طور پر توحید کی دعوت کے لئے مبعوث فرمایا ہے، جیسا کہ "**وما ارسلنا من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون**" سے ظاہر ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے غلامی سے نجات بھی دلائی، مگر ان کی بعثت کی حکمت غلامی سے نجات دلانے میں منحصر نہیں۔ اگر "ہی" کی بجائے "بھی" ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔

تحریر اور تقریر میں انبیاء علیہم السلام کے اس ادب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جس کی تعلیم خداوند قدوس نے "**ترکنا علیہم فی الاخرین سلام علی موسی و ھارون**" میں فرمائی ہے۔

احقر دعاگو ہے اور دعا کا طالب ہے۔ والسلام

مخلص زاہد الحسینی
از بستر علالت

(۲)

کراچی سے جناب قاضی عبدالقادر کا مکتوب

" میثاق میں جماعت اسلامی کے حالیہ " شدید ترین بحران" کے سلسلہ میں جو کچھ آپ نے سپرد قلم فرمایا ہے اس سلسلہ میں تو کوئی اظہار خیال مطلوب نہیں، لیکن ایک بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ وہ یہ کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ بہاولپور کے الیکشن میں جماعت کا ایک شخص کامیاب ہوا تھا جو ایک بڑا زمیندار تھا۔ اشارہ آپ کا محترم اجمل لغاری مرحوم کی جانب تھا۔ عرض ہے کہ ایک نہیں دو حضرات کامیاب ہوئے تھے۔ دوسرے صاحب کا نام، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، شیخ برکت علی تھا۔ اس سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایک صاحب کامیاب ہوں یا دو، بہرحال ریکارڈ کی درستگی کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔ اس ناکارہ بندہ نے پنجاب کے الیکشن ہی میں نہیں بہاولپور کے الیکشن میں بھی (۱۹۵۲ء میں) بھرپور کام کیا تھا"۔

والسلام
قاضی عبدالقادر

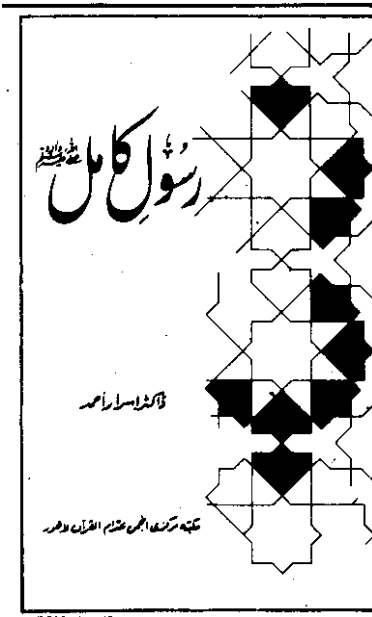

اشاعتِ خاص -/۱۶ روپے، عام -/۷ روپے

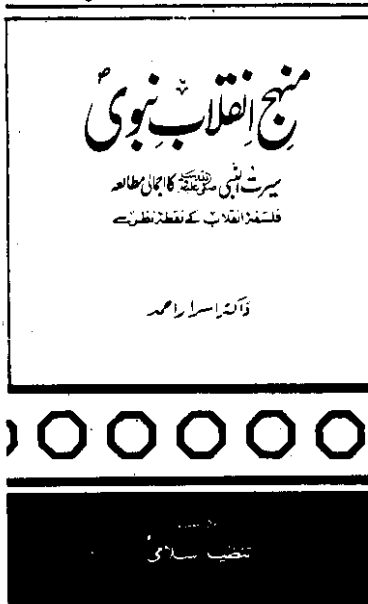

اشاعتِ خاص -/۶۰ روپے، عام -/۳۰ روپے

-------(۳)-------

ملتان سے جناب جلال الدین احمد صدیقی کا مراسلہ

محترمی و مکرمی، السلام علیکم

آج "جنگ" میں آپ نے جو اشتہار شائع کرایا ہے وہ پوری قوم کی آواز ہے۔ یہ حرف بحرف صحیح ہے اور اخبار بین طبقہ محسوس کرتا ہے کہ اس زرد صحافت نے قوم کے ذہنوں کو پراگندہ کر رکھا ہے۔ کسی نہ کسی عنوان سے عورتوں کی اخلاق سوز تصاویر رنگین شائع کرنا ان کا روز مرہ کا وطیرہ بن گیا ہے۔ اس سے نوجوان گمراہ ہو رہے ہیں اور اخبار والے گویا ذہنی عیاشی کا سامان پیدا کر کے انہیں اس کا عادی بنا رہے ہیں، جو کسی بھی نشہ آور شے مثلاً ہیروئن وغیرہ سے بھی بدتر ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ میں نے تقریباً اسی مضمون پر مبنی ایک خط ملک کے سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اخبار کو لکھا تھا، جس نے تو حد کر دی تھی جب اس نے لاہور کے قحبہ خانوں میں نمائندے بھیج کر ارباب نشاط کے انٹرویو شائع کئے تھے اور ان کی تصاویر فرنٹ صفحہ پر شائع کی تھیں۔

یہی اخبار عوام میں تعلیم پھیلانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ ایسے ملک میں جہاں خواندگی کی شرح ۲۰ فیصد سے بھی کم ہے تمام اخبار روزانہ جلی حروف میں چند کالموں میں تعلیم بالغاں کی طرز پر اسباق/مضامین شائع کر سکتے ہیں۔ اس طرح سے ایک طرف تو رنگین تصاویر نہ چھاپ کر اور trash material روک دینے سے اخبار سستا ہو گا تو دوسری طرف عوام میں دیہاتوں اور شہروں میں یکساں ہردلعزیز ہو گا۔ میں مشکور ہوں گا اگر میری تجویز کی آپ "میثاق" کے ذریعے اشاعت فرمائیں، جس کا مطالعہ میں عرصہ سے کر رہا ہوں۔

شاید جناب نے مجھے پہچانا ہو۔ جب ۷، ۸ سال ہوئے (۱۹۸۱-۸۴ء) میں چیف کارپوریشن آفیسر ملتان تھا، ہماری دعوت پر آپ دو دفعہ یہاں تشریف لائے تھے اور میونسپل کارپوریشن ہال میں خطاب فرمایا تھا۔ یہ یادیں میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو بصحت عرصہ دراز سلامت رکھے۔ آمین--- والسلام

احقر
جلال الدین احمد

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

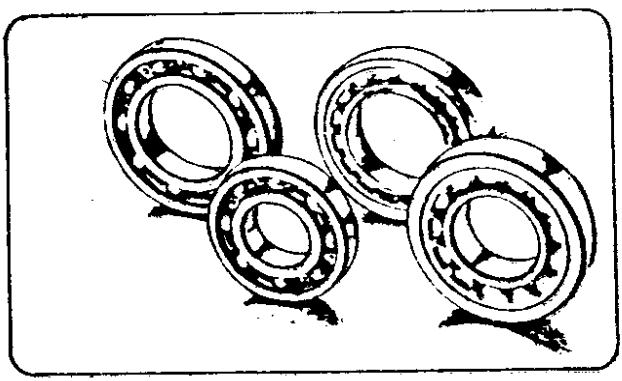

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41780-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس' بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک' اسکینڈی نیوین ممالک' شمالی امریکہ' روس اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں ترک کردم نہیں لینے دیتی' ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے' ایسی محنت جو کوالٹی' ڈیزائن اور پابندئ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد، کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس (92-21) 610522

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REGD NO.L 7360
VOL.41 NO.11
NOV.1992

سُرفی کول

کف سیرپ اور ٹیبلٹس

کھانسی اور گلے کی خراش کا زود اثر علاج

سرفی کول کف سیرپ قدرتی جڑی بوٹیوں کے اجزائے موثرہ کی وجہ سے ہر قسم کی **کھانسی** میں فوری اثر کرتا ہے۔ **سرفی کول** چوسنے والی خوشگوار **ٹیبلٹس** گلے کی خراش اور کھانسی میں آرام پہنچاتی ہیں۔ بار بار اٹھنے والی کھانسی میں بھی مفید ہیں بہتر نتائج کے لیے **سرفی کول** کف سیرپ کے ساتھ **سرفی کول** ٹیبلٹس کا استعمال کریں۔

خاندان کے ہر فرد کے لیے مفید **سرفی کول** جس کا باقاعدہ استعمال کئی امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔

تحقیق کی روایت ۔ معیار کی ضمانت